اِسلامی جنگیں

جلد دوم

شفیقیؔ عہدی پُوری

●

کُتب خانہ انجمن حمایتِ اسلام لاہور

تاریخ اشاعت	اشاعت	تعداد	قیمت
نومبر ۱۹۶۹ء	اوّل	ایک ہزار	۶ روپے

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ ۝

اسلامی جنگیں

جلد دوم

شفیقی عہدی پوری

شائع کردہ

کتب خانہ انجمن حمایت اسلام براندرتھ روڈ
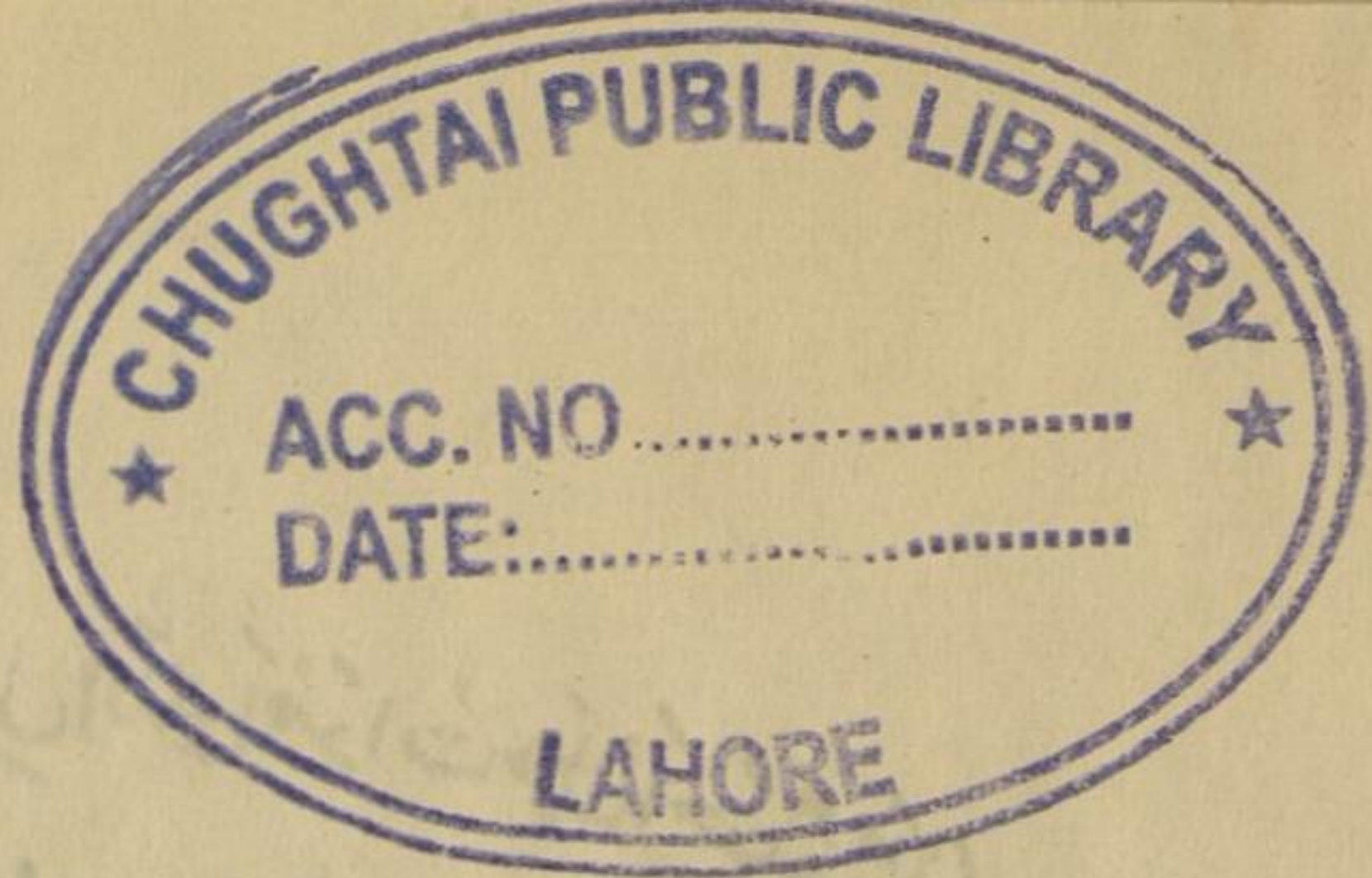
لاہور

طبع اوّل
تعداد ایک ہزار
تاریخ اشاعت نومبر ۱۹۶۹ء
قیمت مجلد چھ روپے
طابع - حمایت اسلام پرنٹنگ پریس لاہور
ناشر - کتب خانہ انجمن حمایت اسلام
برانڈرتھ روڈ لاہور

فہرست مضامین

تشہدیہ

ان شہیدوں اور غازیوں کے حضور جنہوں نے ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھارت کے دزدانہ حملے کا منہ توڑ جواب دیا۔

جنگِ اصفہان ۲۱ھ

نہاوند کی شکست نے یزدگرد کی کمر توڑ دی۔ وہ مختلف مقامات بدلتا، چھپتا نکلتا، مرو پہنچا۔ یہاں اسے اطمینان کی صورت نظر آئی۔ آتشکدہ بنایا، اسے لوبان وعود سے سلگایا، آگ روشن ہوئی۔ شعلے بلند ہوئے، سجدہ میں گر امناجات کی:۔

"اے آگ! اے معبود، اے ایران کی محافظ، زرتشت کی پرستیدہ، تیرے شعلے کتنے بلند اور کس قدر روشن ہیں۔ دشمن تجھے بجھانے اور مجھے ایران سے بھگانے کے درپے ہیں۔ تو اپنے شعلوں کو اور بلند کر، اپنے دشمنوں کو جلا کر راکھ کر دے، ایران کی عزت کو بچا، اپنے پرستاروں کو اونچا دکھا، دشمنوں کو کھا جا۔ مدد، مدد، مدد۔ اے آتش فروزاں مدد! بڑھ، لپک، اپنی زبان کی تیزی دکھا، ہماری ہمت بندھا، دشمنوں کو جلا، انھیں اپنے موروثی ملک میں بھگا، تاکہ ہمارے آتش کدے ہمیشہ روشن رہیں، تو ہمیشہ اسی طرح فروزاں رہے جس طرح ہزاروں برس سے روشن رہی ہے۔"

یزدگرد سجدے سے اٹھا۔ اس کی آنکھیں نمناک تھیں، پلکوں پر آنسوؤں

کے موتی ڈھلک رہے تھے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"ایران کے سپوتو! رستم و اسفندیار کے بیٹو! آگ روشن ہو گئی! اپنے شعلوں کی زبان سے آسمان سے باتیں کرنے لگی، ہمیں ہمت و جرأت کا پیغام دے رہی ہے۔ اٹھو، تیغ ہائے اصفہانی اٹھاؤ۔ دشمن سے لڑ جاؤ، ایران کی عزت کو بچاؤ، عربوں کو اس طرح بھگاؤ کہ ان کے پاؤں تھک جائیں، وہ الامان پکارتے ہوئے صحرائے عرب میں بھٹک جائیں اور پھر کبھی ادھر نہ آئیں۔ درباری سردار اٹھے، جھکے، یزدگرد کے حضور سجدہ ریز ہو گئے، سجدے سے اٹھے، یزدگرد کے چہرہ پر نظر پڑی۔ تابناک پایا۔ حوصلہ بڑھا تلواروں پر ہاتھ رکھ دیئے، تخت یا تختہ! فتح کے گھوڑوں پر سوار ہو کر آئیں گے یا میدان میں جان دے کر سرخ رو ہو جائیں گے۔

بھاگی ہوئی فوجیں، بچے کھچے سپاہی، یزدگرد کی طرف کھنچ آئے، ہر طرف ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے۔ یہ ٹڈی دل فوج اصفہان کی طرف بڑھی قادوستان حاکم اصفہان نے استقبال کیا۔ اپنے سپہ سالار شہر براز کو بلایا اور حکم دیا:

"شہر براز! یہ ہے شاہی کمک! بے شمار فوج، موج در موج، بہادر، شجاع۔ قوی ہیکل جوان، مشہور مردانِ میدان اور تم جیسے جری کی کمان! وہ کچھ کر دکھاؤ کہ شہنشاہ سے تحسین پاؤ۔

آج ایران کا سہارا تمہارا قوی بازو ہے، تمہاری شمشیر جوہر دار کی کاٹ پر انحصار ہے۔ بڑھو، بھوکے عربوں پر شیر کی طرح بڑھو، ایران کا ڈر اپنا

نام روشن کرو۔ عربوں کا قتل عام شہنشاہ کا اذن عام ہے۔ ہاں ہاں میرے شیرو! ایک عرب بھی جانے نہ پائے۔

شہر براز نے تلوار کو بوسہ دیا۔ اٹھا، لشکر کو ترتیب دیا، طوفانی سمندر میں لہریں اٹھیں، چاروں طرف میلوں تک تلواریں، چمکتی ہوئی دھاریں، دیکھ کر غرایا۔ قادوستان کو سلام کیا اور پہاڑوں سے ٹکرانے کے لیے چل پڑا تاکہ عربوں کو راستے ہی میں روکے، مجاہدوں کو سرِ راہ ٹوکے اس طرح بڑھے، اتنی پھرتی سے یلغار کرے اور اتنی تیزی سے جا پڑے کہ وہ اپنا آپ سنبھال نہ سکیں۔

رستاق الشیخ پہنچا۔ جاسوس خبر لائے کہ مجاہدوں کا لشکر آرہا ہے۔ وہیں ٹھیر گیا۔ لشکر کو آگے، پیچھے، دائیں، بائیں سے درست کیا، ان کا حوصلہ بڑھایا، انعام و اکرام کا لالچ دلایا اور کہا "شکار اپنے پاؤں چل کر آ گیا ہے، بڑھو، جھپٹو اور ایک عرب کو بھی پیچھے ہٹنے، بھاگنے اور جان بچا کر نکل جانے کا موقع نہ دو۔"

عبداللہؓ بن عباسؓ مجاہدوں کے سرتاج، عرب کی عزت، اسلام کی لاج اپنا لشکر لیے بڑھے آرہے تھے، دشمن کو تیار پایا تو بے چین ہو گئے، نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جواب میں سارے لشکر نے اس طرح اللہ اکبر کا نعرہ مارا، کہ فضا گونج اٹھی، دونوں طرف سے سخت حملہ ہوا، تلواریں میانوں سے اچھل اچھل کر نکلیں، ڈھالیں ہاتھوں پر جم گئیں، تیروں نے چھیدنے اور خون چاٹنے کے لیے زبانیں نکال لیں۔ گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔

ایرانی بھی مرنے مرانے پر تُل گئے۔ مجاہدوں نے اس لشکرِ عظیم میں ایسا غوطہ لگایا۔ کہ اس سمندر کی پاتال تک کریدڈالی۔ وہ تلوار چلائی، کہ ایرانیوں کا کھیت کا کھیت ہی کاٹ ڈالا۔ خون کے دریا بہہ گئے، کٹے ہوئے سر اور خون کی دھاروں سے یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ بے شمار تربوز کاٹ دیئے گئے ہیں۔ گھوڑوں کے سموں نے میدان میں غبار کی آندھی پیدا کر دی۔ ایرانی دبتے گئے، مجاہد ابھرتے گئے، شہر براز حیران و پریشان، لشکر خستہ و درماں، بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے اپنے لشکر کا دل بڑھایا، مگر کوئی جادو نہ چل سکا۔ آخر خود میدان میں بڑھ آیا مجاہدوں کو للکارا، سردار لشکر سے مقابلہ کا شوق چرایا، اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اپنی سپہ گری دکھائی، للکارا، پکارا، سردار لشکر! آؤ، سپاہیوں کو نہ کاٹو اور نہ کٹواؤ۔ ہم تم دو دو ہاتھ کر لیں!

دونوں لشکر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ درمیان کی جگہ خالی ہو گئی۔ عبداللہ رضؓ بن عباسؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور شہر براز کے مقابلے پر آگئے دونوں نے نیزے ہاتھوں میں لیے، گھوڑوں کو دوڑایا۔ ایک دوسرے کے گرد چکر پر چکر لگایا، دونوں کے نیزے ٹوٹے، فوراً تلواریں ہاتھوں کی زینت بن گئیں۔

شہر براز نے پینترا بدلا، گھوڑے کو کدایا، بڑھ کر وار کیا۔ مجاہد نے ڈھال پر روکا، گھوڑے کو پھیرا، گھوڑا ہوا کی طرح اڑا۔ مجاہد نے وار کیا۔ شہر براز نے سنبھالا اور گھوڑے کو پھیر کر نہایت پھرتی سے وار کیا۔ مجاہد نے گھوڑے کو روک لیا۔ شہر براز کا وار خالی گیا۔

مجاہد نے شہر براز کے گرد گھوڑے کو چکر دیا اور بڑھ کر ایسی تلوار ماری کہ شہر براز کا سر زمین پر جا پڑا، نعرہ تکبیر کی آواز بلند ہوئی، شہر براز کی موت اور نعرۂ تکبیر کی گونج نے ایرانیوں پر موت طاری کر دی۔ مجاہد بڑھے اور ان کی تلواریں ایرانیوں کی گردنیں کاٹنے لگیں۔ صفیں ٹوٹ چکی تھیں، سردار مارا جا چکا تھا۔ میدان ایرانیوں کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ یہ دہشتناک مناظر ایسے نہ تھے کہ ایرانی تاب لا سکتے، بہت سے مارے گئے، جو بچے وہ بھاگے اور اصفہان آ پہنچے۔ مجاہد بھی موت کے فرشتے کی طرح ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اصفہان کی سرزمین نے ان کے بھی قدم چومے۔

قادوستان خود فوج لے کر نکلا۔ میدان میں آیا اور سردار لشکر کو پکارا۔ آؤ ہم تم فیصلہ کر لیں۔ "جو جیتے اس کی فتح" دونوں شہسوار میدان میں آئے۔ نیزہ بازی ہوئی، دونوں برابر رہے۔ تلواریں نکلیں، ایک دوسری سے ٹکرائیں قادوستان نے اپنے گھوڑے کو جھکر دے کر حملہ کیا۔ عبداللہؓ تو بچ گئے۔ مگر گھوڑے کا تنگ کٹ گیا۔ مجاہد زین سمیت پیچھے کو کھسکا اور زمین پر جا پڑا، مگر ایسی پھرتی سے اٹھا۔ کہ گھوڑے کی دم پکڑ کر ننگی پیٹھ پر جا بیٹھا یہ سبکدستی اور مہارت دیکھ کر قادوستان سکتے میں آ گیا۔ اس نے فوراً تلوار پھینک دی اور ہار مان لی۔ جزیہ پر صلح کی اور اصفہان مسلمانوں کے حوالے کر دیا

جنگ ہمدان

اصفہان کی فتح سے ایرانیوں کی بہت سی امیدوں پر اوس پڑ گئی اور وہ بہت حد تک بوکھلا گئے۔ ہمدان کا گورنر خسرو سوم شاہی خاندان سے تھا اور جزیہ پر مسلمانوں سے امان حاصل کر چکا تھا۔ جونہی اسے اصفہان کی فتح کی خبر ملی۔ وہ دیوانہ سا ہو گیا۔ اس نے قرب وجوار کے ایرانی سرداروں کو اپنے ساتھ ملایا، اپنی طاقت کو جانچا اور بغاوت کر دی

ہمدان، ایران میں دوسرے درجے کا شہر تھا۔ اسی لیے اس کا گورنر۔ شاہی خاندان کا ولی عہد ہوتا تھا۔ مگر یہ ولی عہدی صرف اسی وقت کام آتی۔ جب شہنشاہ لاولد سفر آخرت اختیار کرتا۔

ہمدان، بہت بڑا شہر تھا، آبادی گنجان اور کثیر تھی۔ قلعہ کشادہ اور فصیل مضبوط تھی۔ جسے خسرو اور بھی مضبوط کر چکا تھا۔ وہ اس دفعہ مسلمانوں سے آخری بار دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا۔

حضرت عمرؓ مدینہ میں مقیم تھے۔ اپنے مجاہدوں کے احوال پر نظر تھی۔ ملکی کاروبار چل رہے تھے۔ مجاہدوں کے دستے محاذوں کو جا رہے تھے۔

انھیں خسرو کی بغاوت پر افسوس ہوا۔ مگر تدارک کے سوا کوئی راہ نہ تھی۔
حذیفہ رضؓ نہاوند میں ہیڈ کوارٹر سنبھالے ہوئے تھے۔ انھیں حضرت امیر المومنین رضؓ کا حکم پہنچا:۔

"حذیفہ رضؓ! نعیم بن مقرن کو ہمدان کی بغاوت فرو کرنے پر مامور کرو اور اسے تاکید کر دو کہ ہمدان کی فتح کے بعد رے کی طرف بڑھے"۔

حذیفہ رضؓ نے خط پڑھا، نعیم کو بلایا۔ حضرت عمر رضؓ کا نامۂ مبارک دکھایا اور حکم دیا بارہ ہزار سوار لو اور ہمدان پر بڑھ کر خسرو کو مار لو:۔

وہاں کیا دیر تھی، نعیم اٹھا، بارہ ہزار سوار ساتھ لیے، اسلامی علم اٹھایا، خدا کا نام لیا اور ہمدان کو چل دیا۔ خسرو منتظر تھا کہ مسلمان آئیں تو ان سے دو دو ہاتھ کرے۔ جونہی نعیم رضؓ پہنچے، وہ اپنا لشکر لے کر قلعہ سے نکلا اور سامنے میدان میں جما دیا۔

وہ جانتا تھا کہ عرب شیروں سے انفرادی جنگ میں کوئی پورا نہیں اتر سکتا اس نے اس طرح اپنی فوج کے حوصلوں کی شکست پسند نہ کی۔ ضرورت کے مطابق فوجی دستوں کو آگے بڑھانے اور لڑانے لگا۔ لڑائی ہوتی رہی، ایرانی کٹتے، دبتے، پیچھے ہٹتے تو دوسرے تازہ دم دستے حملہ کر دیتے، اس طرح تین دن تک جنگ برابر رہی۔

چوتھا دن آیا۔ تو نعیم رضؓ نے اپنے مجاہدوں کو میدان میں جمایا۔ ترتیب درست کی، پھر مجاہدوں سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"عرب کے شیرو! آج چوتھا دن ہے۔ ایرانی تمھارے سامنے

گھڑے ہیں، تمھارا منہ چڑا رہے ہیں، کیا یونہی ہوتا رہے گا؟۔ ان باغیوں کو آج مطیع کر دو اور وہ غرور جس نے انہیں سرکشی پر ابھارا ہے۔ اسے ان کے دماغوں سے نکال دو۔ خدا کو یاد کرو، اس سے فتح و نصرت کی دعا مانگو، اسی کے نام پر تلوار اٹھاؤ، اسی کی رضامندی کے لیے خون گراؤ، اسی کی خوشنودی کے لیے شہادت پاؤ، اسی کی رضاجوئی کے لیے غازی بن جاؤ۔ اسلام اور عرب کا نام روشن کرو، ہمارے پاس اتنا وقت نہیں کہ ہم اسے ضائع کریں۔ بہادرو! کام بہت زیادہ ہے اور وقت کم، تمھیں تھوڑے سے وقت میں بہت سے کام انجام دینا ہیں۔"

مجاہدوں نے نعرہ تکبیر لگایا، اپنا خون گرمایا، تلواروں کو میانوں سے نکالا، ان کی دھاروں کو دیکھا بھالا، نیزوں کو پہلو میں لٹکایا، ترکشوں سے کندھوں کو سجایا، باگیں اٹھائیں، گھوڑوں کو ایڑ لگائی، دائیں، بائیں پہلوؤں پر حملہ کیا، انھیں دبایا۔

دشمن کے دونوں پہلو دبتے گئے، مجاہد بڑھتے گئے، دشمن گھٹتے اور سمٹتے گئے۔ آخر ان کی صفیں ٹوٹیں۔ خوف سے نبضیں چھوٹیں، قلب گھٹ کر رہ گیا۔ جگہ تنگ، فوج زیادہ، دونو پہلو دبے ہوئے۔ کدھر کو نکلیں، کس سمت کو بڑھیں، کون نکلنے دے گا، کون بڑھنے دے گا؟

خسرو نے یہ حال دیکھا تو گھبرایا۔ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا۔ کہ اسلامی قلب نے حملہ کر دیا اور اتنا دبایا کہ ایرانی فوج گھٹ کر رہ گئی۔ حملہ روکنا، آگے بڑھنا

وار کرنا، محال ہو گیا۔ افراتفری میں ایک دوسرے پر تلواریں پڑنے لگیں۔ سر کٹنے لگے۔ خون بہنے لگا۔ لہو میں بھیگتے، تلواروں کے وار سہتے، نیزوں کی چبھن جھیلتے، پیچھے ہٹنے لگے۔ مجاہدوں کو گھنا کھیت کاٹنا پڑا۔

خسرو یہ منظر نہ دیکھ سکا۔ چمک کر آگے بڑھا، اسلامیوں پر حملہ کیا، نعیمؓ نے آگے بڑھ کر روکا، دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تلواریں ایک دوسری سے گلے ملیں، نیزوں نے زبان درازی کی۔ دونوں کی سنانیں ٹوٹیں، تلواروں نے دانت نکال دیئے۔ خنجر نکلے، گھوڑے زخمی ہوئے دونوں بہادروں نے گھوڑوں کو چھوڑا، پیادہ ہوئے پینترے بدلے ایک دوسرے سے قریب ہوئے۔ الجھے، گتھم گتھا ہوئے، نعیم کا خنجر تیز اور خونریز نکلا، خسرو پھسلا، سینے سے خون کا فوارہ بہہ نکلا، زمین پر گرا اور پھر نہ اٹھا۔ مجاہد نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اسلامیوں نے مل کر نعرہ مارا، ایرانیوں کے دل کانپ گئے۔ جھنڈے پر نظر پڑی تو مایوس ہو کر واپس لوٹی خسرو کی موت نے ایرانیوں کی ہمتیں پست کر دیں۔ خدا کے ابرِ رحمت نے ان کی آگ بجھا دی، آتشکدہ ٹھنڈا پڑ گیا، الامان کا شور بلند ہوا، ہتھیار پھینک دیے۔

نعیم نے فوراً جنگ بندی کا حکم دیا۔ مجاہدوں نے فوراً ہاتھ روک لیے، شہر اور قلعہ کی چابیاں پیش ہوئیں۔ اہل شہر کو امان دی گئی۔ ایرانیوں کی جان میں جان آئی۔ اب میدانِ جنگ لاشوں کا خاموش شہر تھا
فتح کی خوش خبری امیر المومنین کو پہنچائی گئی۔ انھوں نے سجدہ شکر ادا کیا

اہل مدینہ نے خوشی منائی۔ حضرت عمرؓ نے فوراً حکم لکھا:۔

"نعیم! السلام علیکم۔

اس فتح کی مبارک باد اپنے مجاہدین کو پہنچا دو۔ تمھارا یہ کارنامہ خدا کی خوشنودی کا باعث ہے۔ یہ خدائے قدوس کی نصرت کا سبب ہے۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہو رہی ہے۔ قلیس کو کافی فوج دے کر ہمدان کا امیر مقرر کرو اور رے کی طرف بڑھ جاؤ۔ خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔"

جنگ رے

ہمدان فتح ہوا تو بچے کھچے ایرانی رے کی طرف بھاگ گئے۔ رے پر بہرام چوبیں کا بیٹا سیاوش حکمران تھا۔ باپ کی طرح شجاعت کا پیکر اور تدبر کا مجسمہ تھا۔ ایرانی اسے اپنا پشتیبان اور پناہ دہندہ تصور کرتے تھے۔ سیاوش نے ہمدان کی فتح کا حال سنا۔ تو ہوشیار ہوا۔ جرجان، قومس، طبرستان کے حکام کو لکھا:

"ایران کی عزت و شہرت کے محافظو! اٹھو، اپنی فوجوں کو آراستہ کرو، اپنی تلواروں کو چمکاؤ، نیزوں کو ہلاؤ، خنجروں کو سان پر چڑھاؤ، ایران کی عزت کو بچاؤ، سیلاب بن کر آؤ اور عربوں کے سیلاب کو روک کر دکھاؤ، ان بھوکے ننگے لٹیروں کو خاک و خون میں تڑپاؤ، اپنی بہادری کے جوہر دکھاؤ، دنیا کو بتاؤ کہ ایران زندہ ہے۔ ایرانی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ایران کی جے! یزدگرد کی جے!!"

سیاوش کی تحریر پڑھ کر جرجان، طبرستان اور قومس کی فوجیں فوج در فوج رے

کی طرف چل دیں۔ ان افواج کو دیکھ کر سیاوش کا حوصلہ بڑھا۔ اس نے پورے لشکر کو ترتیب دیا اور مسلمانوں کے مقابلہ کی پوری تیاری کرلی۔ نعیمؓ نے لشکر کو تیار پایا مجاہدوں سے مخاطب ہوا اور کہا:۔

"اسلام کے سپوتو! خدائے قدوس کے مجاہدو! دشمن پوری طرح تیار ہے، تعداد کثیر ہے سامان ان گنت ہے، تم کثرت اور قلت کو نہ دیکھو خدا کی نصرت پر یقین رکھو، ایسے بہت معرکے مار چکے ہو، لاتعداد دشمنوں کو کاٹ چکے ہو، انہیں بھی اپنی تلوار کا کاٹ دکھاؤ، اپنے نیزوں کا نشانہ بناؤ، خدا ہمارا حامی و ناصر ہے"

مجاہد میدان میں جم گئے۔ ہاتھوں میں تلوار تھی، دل میں خدا کی یاد تھی۔ اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر استغفار کی تکرار تھی۔ خدا اور اس کے رسول پاک کی خوشنودی مقصود تھی۔ یہی دنیا و آخرت کی بہبود تھی

دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل جمے کھڑے تھے۔ ایک کو دوسرے کی حرکت کا انتظار تھا۔ کہ سورج دن بھر کا تھکا ماندہ، اونگھتا، جھومتا سرا پردۂ مغرب میں داخل ہوا۔ اندھیرا بڑھنے اور اجالا گھٹنے لگا۔ حتیٰ کہ رات نے ہر طرف سیاہ شامیانے تن دئے۔ آسمان پر تاروں کے چراغ روشن ہو گئے۔ آسمان کے صحن میں جگنو بکھر گئے۔ رات سائیں سائیں کرنے لگی، بے طرح خراٹے بھرنے لگی۔

کون ہے؟ اسلامی پہرہ داروں نے ٹوکا

"ایک رئیس رے"

کیا مقصد ہے؟

سردار لشکر سے ملاقات!

کیا نام ہے؟

زبینده!

اکیلے ہو؟

تن تنہا!

آؤ، میرے ساتھ آؤ، سردار تک پہنچا دوں!

پہرہ دار اور زبینده نعیم کے خیمے پر پہنچے۔ اطلاع کی۔ جواب آیا، آنے دو!

زبینده خیمے میں داخل ہوا۔ نعیم کو دیکھتے ہی پاؤں پر گر پڑا۔

"ارے یہ کیا؟ ایک ضعیف انسان کے پاؤں پہ سجدہ"؟

"ہمارے ہاں یہی انداز آداب ہے"!

"اٹھو، ہمارے ہاں خدا کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں! نعیم نے کہا۔

"معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ آپ اس طریق آداب کو ناپسند کرتے ہیں"!

"کہیئے! کیسے آئے؟"

"سیادش کی بجائے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ امان مل جائے، تو دل حزیں غنچہ کی طرح کھل جائے!

"اچھا! آپ کو امان ہے۔ مگر کیا آپ ہماری کوئی مدد کر سکتے ہیں"؟

"کیوں نہیں۔ میں دل و جان سے وفادار رہوں گا"!

"رے پر قبضہ کی سبیل بتاؤ! اگر رے پر قبضہ کرا دو۔ تو آپ کو خاطر خواہ انعام ملے گا!"

"میں اسی لیے حاضر ہوا ہوں۔ اگر آپ میری تجویز پر عمل کریں۔ تو یہ کوئی بڑی بات نہ ہو گی!"

اپنی تجویز بتاؤ! نعیم نے کہا:۔

تجویز یہ ہے کہ آپ دو ہزار سوار میرے ساتھ کر دیں۔ میں انھیں اپنے ساتھ شہر سے دور لے جاؤں گا، جب صبح آپ لڑائی شروع کریں گے۔ تو میں ان سواروں سے رے پر قبضہ کر لوں گا۔ سیاوش یہ خبر سنے گا۔ تو لڑائی چھوڑ کر فرار پر مجبور ہو جائے گا!

"کیا آپ سچے دل سے یہ کہہ رہے ہیں"؟

"سچے دل سے! بالکل سچے دل سے۔ آتش زردشت کی قسم"!

نعیم نے دو ہزار مجاہد بلائے، انھیں تاکید کی۔ کہ ہوشیار رہیں۔ زینید کے ساتھ جائیں اور مناسب موقع پر شہر پر قبضہ کر لیں!

مجاہدوں نے گھوڑوں کو اڑایا۔ اپنے لشکر سے دور نکل گئے، شہر کی حدود سے بہت دور، سیاوش کے لشکر سے بہت فاصلہ پر ہو کر گزرے اور شہر کی دوسری طرف کئی میل کے فاصلہ پر جا ٹھہرے۔

اتنے میں خورشید جہاں تاب نے دریچۂ فلک سے سر نکال، پھر پر کرنوں کا تاج سنبھالا اور آسمان کے تخت پر جلوہ افروز ہوا، ہر طرف اجالا ہو گیا، رات کا منہ کالا ہو گیا، وہ اپنے تاریک محل میں جا سوئی۔

صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مجاہد سوار ہوئے، جنگ کا بگل بجا۔ دونوں فوجیں آہستہ آہستہ بڑھیں۔ میمنہ، میسرہ سے اور میسرہ، میمنہ سے ٹکرایا۔ تلواروں نے اپنی چمک دکھائی، نیزوں نے اپنی زبان ہلائی تیر سنسنائے، ایران کی جے اور اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے، بہادروں کے جوش دوچند ہوئے، بزدل پیچھے ہٹے اور بہادر بڑھ کر ڈٹے گھمسان کا رن پڑا۔ خون کے دھارے بہہ نکلے، زخمیوں کی چیخیں میدان کا دل ہلانے لگیں۔

اسلامی میمنہ نے ایرانی میسرہ کو دبایا۔ ایرانی میسرہ پیچھے ہٹا مجاہدوں نے نعرہ تکبیر سے میدان کو گونجا دیا۔ دشمنوں کے دلوں کو ہلا دیا ایرانی میمنہ بھی پیچھے ہٹا۔ اتنے میں اسلامی قلب کے جان بازوں نے ایرانی قلب کو دبا لیا۔ دشمن پیچھے ہٹنے لگا۔ مجاہدوں نے اس جوش سے حملے کئے۔ کہ سیاوش خود بھونچکا رہ گیا۔ اس کی امیدوں پر اوس پڑنے لگی۔ مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ اپنے جان بازوں کو للکارا!

"وطن کی عزت پر کٹ مرو، ایران کے ناموس پر جانیں نثار کر دو۔ بڑھو بڑھو، مارو، مارو، بھگاؤ، بھگاؤ، ایک عرب کو بھی زندہ نہ چھوڑو۔"

ایرانیوں کا جوش بڑھا۔ انھوں نے ایک پر زور حملہ کیا۔ مگر مجاہدوں کی تلواریں انھیں پسپا کرتی ہی گئیں۔

ادھر تو یہ ہنگامہ کشت و خون بپا تھا۔ ادھر زبیدہ نے شہر پر حملہ کر دیا، محافظوں کو تہ تیغ کیا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔

جونہی یہ خبر سیاوش تک پہنچی، اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی
اب نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن، لشکر میں یہ خبر پھیلی تو سب کے سب
بے دل ہو کر بھاگ اٹھے، بہت سے لقمۂ شمشیر بنے، سیاوش خود بھی بھاگا
اور اپنے بھگوڑوں کے ساتھ آذربائیجان کی راہ لی۔
نعیم نے شہر پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنا صدر مقام بنایا۔ شہر کی حکومت
زمینده کو عطا کی۔ انتظام سے فراغت پائی تو اپنے بھائی سوید کو قومس
پر بڑھنے کا حکم دیا۔ جس نے لڑے بغیر جرجان، قومس اور طبرستان پر
قبضہ کر لیا۔

جنگ آذربائیجان ۲۲ھ

رے فتح ہوا تو آذربائیجان کی مہم سامنے تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس مہم پر عتبہ بن فرقد کو نامزد کیا اور بکیر بن عبداللہ کو ان کی مدد پر مامور فرمایا لیکن دونوں کے لیے جدا جدا راستے تجویز فرمائے۔

حضرت نعیمؓ کو حکم دیا کہ "سماک بن خرشہ کو بکیر بن عبداللہ کی مدد کے لیے بھیج دو" حکم کی دیر تھی۔ تینوں شہسوار اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ روانہ ہوگئے، انہیں اپنی کارگزاری دکھانے سے زیادہ یہ خیال تھا کہ ان کے قدم خدا کی راہ میں جہاد کے لیے اٹھیں، ان سے خدا اور اس کا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں۔ تاکہ قیامت کے دن ندامت کے بوجھ سے گراں بار نہ ہونا پڑے۔

ان افواج پر انسانوں سے زیادہ فرشتوں کا گمان ہوتا تھا۔ دن رات سفر کی صعوبات تھیں۔ دشمنوں کی تلواریں انھیں گھور رہی تھیں۔ مگر وہ تسبیح و تہلیل کرتے، قرآن مجید پڑھتے، رواں دواں تھے۔ دشمن انھیں دیکھتے اور چوہوں کی طرح بلوں میں گھس جاتے۔

سیاوش آذربائی جان میں مقیم - وہ جانتا تھا کہ مسلمان ادھر آئیں گے اس نے مقابلہ کے لیے ایک بڑا لشکر جمع کر رکھا تھا، جس میں رسے گے بھگوڑے بھی شامل تھے - وہ خود بھی بھگوڑا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا - اسے امید تھی کہ وہ اسلامی سیلاب کا رُخ موڑ کر رہیگا

جونہی اسے معلوم ہوا کہ اسلامی افواج مختلف راستوں سے آرہی ہیں اس نے اپنے بھائی بہرام کو حکم دیا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ بڑھے اور بکیر بن عبداللہ سے دو دو ہاتھ کرے۔ خود عتبہؓ کے مقابلے کے لئے نکلا۔ میدان میں اپنے لشکر کو جمایا۔ دایاں بایاں پہلو درست کیا اور مجاہدوں کی آمد کا منتظر رہا۔

مجاہد بھی آپہنچے - خدا کے خوف سے ان کے سر جھکے ہوئے تھے، دل میں اس کی یاد تھی، زبان اس کے کلام پاک کی تلاوت کی حلاوت میں مصروف تھی، تلواریں نیاموں میں آرام کر رہی تھیں۔ نیزوں کی سنانیں آفتاب کی شعاعوں کو شرما رہی تھیں۔ ڈھالیں پشت کی زینت تھیں، وہ نڈر تھے، بے باک تھے، ان کے ارادے نیک اور دل پاک تھے، انھوں نے دشمن کا لشکر دیکھا، پرے جمائے، تلواروں کے سائے میں آراستہ و پیراستہ، لڑنے کے لیے تیار، بڑھنے کے لیے آمادہ، سردار کی طرف دیکھا حکم کا انتظار کیا۔ اشارہ ابرو محسوس کیا، گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں تلواروں کے قبضوں پہ ہاتھ رکھا، خدا کو یاد کیا، نصرت کی دعا مانگی، دشمن سے ٹکرا گئے دائیں بازو کو دبایا، بائیں پر دباؤ ڈالا، عتبہ قلب میں تھے، وہ بھی بڑھے گھمسان کا رن پڑا۔ مجاہدوں کی تلواروں میں بجلی تھی۔ تڑپ تڑپ کر گرتی تھیں۔

دشمنوں کو تڑپاتیں اور لہو کے دریا بہاتی جاتی تھیں۔ دشمن کٹ کٹ کر گرتے تھے، جانیں بچاتے پھرتے تھے۔ اسلامی تلواریں فرشتہ اجل کی طرح ان کے پیچھے پیچھے پھرتی تھیں۔ جو سامنے آتا، جو زد میں پہنچ جاتا، جہنم کا راستہ پاتا، زخمی کراہ رہے تھے۔ گھوڑوں کے سموں میں پامال تھے۔ جو گر جاتا اس کا اٹھنا محال تھا، پیادہ، سوار، سب کے سب اسلامی سیلاب کی منجدھار میں تھے۔

غرض کبھی ٹھہرتے، اڑتے، کبھی بھاگتے، گرتے، لڑتے، مرتے شام کو پاگئے پھر جو پاؤں اٹھے، تو تاریکی کے سائے میں پناہ لینے کو دوڑے مجاہدوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ "وہ مارا" کا شور مچ گیا۔ دشمن پر ہراس چھایا، اندھیرے کو پاسبان بنایا۔ بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔

عتبہؓ نے قلب کو گھیرا، دشمنوں کو تلوار کے زور سے بکھیرا، سیاوش پر کمند ڈالی، اسے گرفتار کیا اور کشاں کشاں اپنے سپاہیوں کے حوالے کیا۔ زندہ بھاگ چلے تھے، مردے بے حس و حرکت پڑے تھے۔ خون بہہ رہا تھا، گھوڑوں کے سموں کو مہندی لگ چکی تھی، وہ ہنہنا رہے تھے، اپنی فتح پر خوشی منا رہے تھے۔ مجاہد نصرت الٰہی کے شکر گزار تھے اور سجدہ شکر کے لیے بے قرار تھے۔

بہرام کا لشکر بکیر بن عبداللہ سے ٹکرا چکا تھا۔ مجاہدوں کی تلواروں کا مزہ اٹھا چکا تھا۔ بہرام خون میں نہا چکا تھا، لہو کی مہندی لگا چکا تھا۔ پریشان ہو کر بھاگ چکا تھا۔ کہ سماک بن خرشہ بھی آپہنچا۔ اس نے میدان خالی پایا، تو ادھر ادھر پھیلا اور آذربائیجان کے شہروں اور قصبوں کو جزیہ پر مجبور کر دیا۔

فتح کی خوشخبری دربار خلافت میں پہنچی۔ تو حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی نے سجدۂ شکر
ادا کیا۔ عتبہ کو سپہ سالار مقرر فرمایا اور حذیفہ کو واپس بلا لیا

جنگ فارس ۲۳ھ

آذربائی جان کی مہم سر ہوئی، تو فارس کے حاکم شہرک کو مقابلہ کا شوق چرایا اس نے مسلمانوں کے خلاف خوب زہر پھیلایا۔ ارد گرد کے حکام کو اپنے ساتھ ملایا اور ایک بڑا لشکر تیار کر لیا۔ اپنی فوج کی تعداد پر غرّایا اور مجاہدوں کو للکارا توج کو صدر مقام بنایا اور ہر طرف اپنی فوج کے دستے پھیلائے۔

عثمانؓ ابن ابی العاص اس مہم کے سالار تھے۔ انھوں نے اپنے بھائی حکم کو حکم دیا کہ "شہرک کا فساد فرد کرو۔ اس کے سر سے خودسری کا غرور نکالو" حکم نے مجاہدوں کو ساتھ لیا اور چل پڑا۔ یہ لشکرِ اسلام کی سربلندی کا پرچم لہراتا، خدا کی نصرت کے گیت گاتا، توج پہنچا۔ تو دشمن کو لڑائی کے لیے تیار پایا۔ اس نے سامنے ڈیرہ جمایا، نمازیں پڑھیں، خدا سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں اور توبہ و استغفار میں شب بے قرار گزار دی۔

صبح کا سورج شعاعوں کے نیزے ہلاتا، روشنی کے فانوس اڑاتا، اجالا پھیلاتا، اندھیرے کو بھگاتا ہوا نکلا۔ دونوں لشکر کمربندی سے فارغ ہوئے میدان کارزار کا سکوت ٹوٹا، نعرہ ہائے جنگ کا سر چشمہ پھوٹا ادھر ناقوس بجے

ادھر نعرۂ اللہ اکبر گونجا، گھوڑے ہنہنائے، مجاہدوں نے سالار کا حکم پایا باگیں اٹھائیں۔ تلواریں چمکائیں، نیزے ہلائے۔ کمانیں سنبھالیں، تیر سنسنائے دونوں لشکروں کا فاصلہ گھٹنے لگا، بہادروں کا جوش بڑھنے لگا۔

حکم نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اکیلا شیر بھیڑوں کے گلے پر جا پڑا۔ دشمن کا سٹھراؤ کرنے لگا، ہزاروں نیزے اور تلواریں مجاہد پر پل پڑیں ۔۔۔

مگر اس شیر نے پروانہ کی۔ نعرہ ہائے تکبیر لگاتا، دو دستی تلوار چلاتا، دشمنوں کو کاٹتا گراتا، اپنا راستہ بناتا بڑھتا گیا۔ دشمن اسے بار بار گھیرتے۔ مگر وہ شیر ہر بار ان کا حلقہ توڑتا، دشمنوں کو کاٹتا، کچلتا، مارتا، گراتا، نکل جاتا۔

شہرک چلایا! "جانے نہ پائے، یہ لشکر کا سالار ہے۔ یہی اس لشکر کی تیغ آبدار ہے۔ اسے مارلو گے تو میدان تمہارا ہے"۔

حکم نے اس کے جواب میں نعرہ لگایا۔ اللہ کو پکارا، نصرت الٰہی آڑے آئی اور وہ شیر دشمنوں کو دہلا کر صحیح وسالم میدان میں نکل آیا۔

شہرک نے انگلیاں دانتوں سے کاٹ لیں۔ "شیر نکل گیا، اب اس کا قابو میں آنا محال ہے"۔ لشکر کو آگے بڑھایا، کچھ شرم دلائی کچھ حوصلہ بڑھایا، انعام کا لالچ دیا، قومی غیرت کو ابھارا اور سارے لشکر سے حملہ کر دیا۔

مجاہدوں نے تلواریں اٹھائیں، بجلی کی سی تیزی دکھائی، دشمن پر برق عقوبت بن گرے۔ دبایا اور دباتے ہی چلے گئے۔ شہرک بھاگا، فوج منتشر ہو گئی اس بھگدڑ میں سینکڑوں مارے گئے۔

حکم نے توج میں چھاؤنی ڈال دی، عرب قبائل آباد کئے۔ نظام

درست کیا۔ رعایا پر مہربانی فرمائی۔ مسجدیں بنائیں۔ خدا کے نام کو بلند کیا اسلام کی رونق کو بڑھایا۔ بہت سے پارسیوں نے اسلام کو اپنا مذہب بنایا۔ سابور اور اصطخر کو فتح کیا۔

یہ تو آبادی و تعمیر کے کاموں میں مصروف تھا کہ شہرک پھر سے آدھمکا فوج کثیر سے بے تدبیر نے حملہ کر دیا۔ مجاہدوں نے تلواروں سے استقبال کیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ شہرک آپ شمشیر پی کر خاموش ہُوا۔ لشکر پریشان ہو کر روپوش ہوا۔ بہت سے کٹے، ہزاروں گرفتار ہوئے اور الامان کہہ کر آزاد ہوئے۔ اپنے اپنے گھروں میں آباد ہوئے، اسلام کا طوطی بولنے لگا۔ مسلمانوں کا سکہ بیٹھ گیا اور کاروبار معمول پر آ گئے۔

جنگ خراسان (۲۳ھ)

حضرت خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے احنف بن قیس کو بلایا۔ وہ حاضر ہُوا۔ تو فرمایا۔

"احنف! یہ لو علم! اسلام کی سربلندی اور خدا کی خوشنودی کے لیے اپنا مقدر آزماؤ، خراساں پر بڑھو اور اسلام کی عظمت کا جھنڈا وہاں گاڑدو"

احنف نے جھنڈا اٹھایا۔ امیر المومنین سے رخصت ہُوا۔ ہرات پر بڑھا۔ اسے فتح کیا۔ مرد شاہجہاں پر چڑھا اسے مسخر کیا۔ اب آگے مرد تھا۔ جہاں یزدگرد تھا۔

حضرت امیر المومنینؓ جانتے تھے کہ یزدگرد مرد میں مقیم ہے۔ اسے فتح کرنے کے لیے بڑی فوج کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے کوفے سے کچھ اور فوجیں احنف کی مدد کے لیے روانہ کردیں اور لشکر اسلام کی تعداد بیس ہزار ہوگئی۔

یزدگرد ایک بڑا لشکر تیار کرچکا تھا۔ مگر اسے اطمینان نہ تھا۔ وہ مجاہدوں کے ہاتھ دیکھ چکا تھا۔ اسے یہ بیس ہزار بھی بیس لاکھ دکھائی دئے۔ اس

نے خاقان چین اور ترکستان و صغد کے فرمانرواؤں سے مدد کی التجا کی۔
خاقان چین نے کہلا بھیجا۔

"صلح کر لو اور ایک گوشے میں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ خواہ مخواہ الجھ کر کیا کرو گے؟ مسلمانوں کا سیلاب تمھارے بند باندھنے سے نہ رکے گا۔"

ترکستان اور صغد سے ایک لشکر کثیر یزدگرد کی مدد کے لیے آ پہنچا اور اسے کچھ ڈھارس بندھ گئی۔ احنف نے پہاڑ کے دامن میں اپنا لشکر جمایا اور لڑائی کے لئے تیار ہو گیا۔

دونوں لشکر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ فاصلہ کم ہوتا گیا اور آخر بھڑ گئے۔ دونوں طرف سے حملے پہ حملہ ہونے لگا۔ اگرچہ دشمن کا لشکر بھی بھاری تھا، مگر مجاہدوں کا رنگ ہی نرالا تھا۔ وہ جس طرف بڑھتے، دشمنوں کا بھرتا کر دیتے۔ لاشے پر لاشہ گراتے، مارتے، کاٹتے، راستہ بناتے، دشمنوں کو بھگاتے بڑھے جاتے، اللہ اکبر کے نعرے سے میدان کو گنجاتے پہاڑوں میں زلزلہ ڈالتے، تلواروں کا مینہ برساتے اور دشمنوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکاتے، انھیں موت کا ڈر تھا نہ زخموں کی پروا، وہ مجاہد تھے خدا کے راستے میں جانثار اور اسی کے فداکار تھے۔ انھوں نے دشمن کے لشکر میں وہ تباہی مچائی کہ لاشوں سے میدان جنگ بھر دیا۔ زمین لاشوں میں چھپ گئی، لہو سے لالہ زار کا فرش بچھ گیا۔ ادھر آفتاب نے مغرب کو رخ موڑا۔ ادھر دشمن نے میدان چھوڑا، اس طرح بھاگا کہ سینکڑوں ایک دوسرے پر گر کر کچلے گئے۔ شام تک میدان صاف ہو گیا اور یزدگرد کا بخت

بیدار ہمیشہ کے لیے سو گیا۔ وہ بھاگا اور فرغانہ میں پناہ لے کر بیٹھ گیا۔

احنف ملک کا نظام پریشان درست کرنے میں مشغول تھا کہ خاقان بلخ اپنے لشکر کے ساتھ آن پہنچا۔ احنف نے فوراً لشکر کی ترتیب درست کی اور لڑائی کے لیے تیار ہو گیا۔ خاقان بلخ یہ دیکھ بھونچکا ہوا۔ اس نے احنف سے لڑنے کے لیے تین ترک جنگجو میدان میں بھیجے۔

یہاں کیا دیر تھی۔ احنف میدان میں آیا، شہسواری کے کرتب دکھائے اور کہا تینوں ایک ساتھ لڑو گے یا فرداً فرداً مقابلہ پر آؤ گے؟

ترکوں نے فرداً فرداً لڑنے کا اعلان کیا۔ ایک ترک آگے بڑھا اور تلوار کا وار کیا۔ احنف نے وار بچا کر ایسی تلوار ماری کہ اس کا سر کٹ کر دور جا پڑا۔ نعرۂ تکبیر سے میدان میں جان سی پڑ گئی۔

باقی دونوں ترک ایک ساتھ بڑھے اور احنف پر حملہ کر دیا۔ ایک مجاہد فوراً آگے بڑھا۔ مگر احنف نے اسے واپس لوٹا دیا۔ گھوڑے کو دوڑایا اور دونوں کے گرد وہ چکر باندھا کہ دونوں ہی مبہوت ہو گئے۔ احنف نے موقع پا کر دوسرے ترک کو بھی جہنم کا رستہ دکھایا۔ تیسرے نے بھاگ جانا چاہا، مگر احنف نے اسے موقع نہ دیا اور ایک ہی وار میں اسے کاٹ کر پھینک دیا۔ فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ خاقان نے اپنی فوج کو لوٹایا اور بھاگ کر جان بچائی۔

جنگ اسکندریہ (۲۵ھ)

عمرو بن عاصؓ مصر پر حکمران تھے، رعایا خوش اور ملک ترقی کر رہا تھا۔ کہ حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی نے شہادت پائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ سوم منتخب ہوئے۔ انھوں نے عمرو بن عاص کو واپس بلا لیا اور اپنے سوتیلے بھائی عبداللہ بن سعد کو مصر کی حکومت تفویض کی۔ اہل مصر اس تبدیلی سے ناخوش تھے، مگر خلیفہؓ کی حکم عدولی ناممکن تھی۔ حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ کا دبدبہ ان کے ساتھ ہی ختم ہو چکا تھا۔ ہرقل شہنشاہ روم مر چکا تھا اور اس کا بیٹا قسطنطین شہنشاہ روم تھا۔

اسکندریہ کے رومی قسطنطین سے نامہ و پیام کرتے رہتے تھے۔ اب جو حضرت خلیفہ ثانیؓ کی شہادت کی خبر عام ہوئی اور عمرو بن عاص کی واپسی اعلام ہوئی تو قسطنطین کے جوان خون میں لہر آئی، مصر کی یاد آئی، اسکندریہ کی یونانی رعایا تو پہلے ہی اس کی ہمنوا تھی۔ اس نے ایک لشکر جرار تیار کیا۔ اسے اسلحہ سے لیس کر کے جہازوں پر سوار کیا اور اسکندریہ پر بڑھنے اور مسلمانوں سے لڑنے کا حکم دیا۔ اس فوج کا سپہ سالار ایک مشہور بہادر

اور تجربہ کار رومی تھا۔ جسے مینوایلی کے نام سے پکارتے تھے۔

مینوایل سمندر کے سینہ پر جہازوں کو چلاتا، موجوں سے لڑتا، راستہ بناتا خاموشی کے ساتھ ساحل اسکندریہ پر آپہنچا۔ جہازوں کو اسکندریہ سے دور کنارے پر لگایا، فوج اور سامان جنگ، ساحل پر اتارا، ادھر فوج لیس ہو کر بڑھی۔ ادھر جہاز کنارے کنارے اسکندریہ آپہنچے۔ ساحل بحر پر اسلامی فوج موجود تھی۔ مگر رومیوں کے حملے کا خیال بھی نہ تھا۔ جب انھوں نے رومی فوجیں اور جہاز دیکھے۔ تو ہوشیار ہوئے، اطلاع دینے کا وقت نہ تھا کمک کی التجا کیا ہوتی؟ خشکی اور سمندر، دونوں طرف سے سخت حملہ ہوا۔ رومی بڑھتے گئے اور مسلمان حفاظتی دستہ کٹ کٹ کر گھٹتا گیا۔ حتےٰ کہ سب کے سب ساحل بحر پر شہید ہو گئے۔ شہیدوں کا خون سارے ساحل کو رنگین کر گیا حفاظتی دستہ ختم ہوا۔ تو رومی بے روک ٹوک سکندریہ میں داخل ہو گئے جتنے مسلمان ملے، سب کو تہ تیغ کیا۔ ان کا مال و اسباب لوٹا۔ عورتوں پر تلواریں برسائیں، بچوں کو نیزوں پر اچھالا۔ معصوموں کے گلے کاٹے اور اسکندریہ پر اپنا قبضہ مکمل کر لیا۔

عبداللہ بن سعد فسطاط میں مقیم تھا۔ بہادر تو تھا۔ مگر صاحب تدبیر نہ تھا اس نے حضرت خلیفہؓ سوم کو اس افتاد سے مطلع کیا۔ انھوں نے فوراً عمرو بن عاص کو بلایا اور مصر کی حکومت پر مامور فرمایا۔ حکم دیا کہ ابھی روانہ ہو جاؤ اور رومیوں کو ان کی گستاخی و ظلم و جور کا مزہ چکھاؤ۔

عمرو بن عاص نے خلیفہ کا حکم سنا۔ مصر پہنچا، رعایا نے اس کی آمد پر

خوشی منائی، بڑھ کر استقبال کیا اور اسکندریہ کے مسلمانوں کا آنکھوں دیکھا حال زار بیان کیا

ظلم وستم کی اس داستان کو سن کر عمرو بن عاص اپنے آنسو روک نہ سکا۔ بھرائی ہوئی آواز میں کہا تم تعاون کرو تو اس ظلم کا بدلہ چکانا کچھ مشکل نہیں :

سب نے تعاون کی پیشکش کی۔ عمرو بن عاص نے اپنی فوجوں کو ترتیب دیا، رسد کا معقول انتظام کیا اور اسکندریہ پر پیش قدمی کر دی۔ رومی تو مغرور تھے ہی۔ ساحل کی حفاظت کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ مسلمانوں کے پاس ایسے جہاز ہی نہ تھے۔ وہ بڑے جوش و ولولہ کے ساتھ شہر سے نکلے، میدان میں فوجوں کو مرتب کیا اور مسلمانوں کے خون کی پیاسی بے ظالم عیسائی تلواریں، چمکاتے رجزیہ گیت گاتے اسلامی مجاہدوں پر حملہ آور ہوئے۔

مجاہدوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، انتقام کا گیت گایا، تلواروں کو نیام سے نکالا، ان کی کاٹ کو آزمایا اور رومی عیسائیوں کی بوٹیاں اڑانے لگے۔ انتقام کے جذبہ نے ان کے خون میں آگ لگا دی۔ وہ برق سوزاں بن کر گرے۔ دشمن کو جلاتے، تلواریں چلاتے، گھوڑے دوڑاتے بڑھتے ہی گئے۔

رومی فوج نے انہیں روکنا چاہا۔ تلواریں اور نیزے چمکائے، بے دریغ بڑھ بڑھ کر حملے کئے۔ مگر اسلامی تلوار کا کاٹ ہی کچھ ایسا تھا، کہ ایک زخم کا مرہم نہ تھا وہ بھی بڑی پامردی سے لڑے۔ کٹتے گئے۔ کچلے گئے، مگر پیچھے نہ ہٹے۔ لڑائی تراز و ہو رہی تھی۔ بڑا سخت معرکہ تھا، کبھی مجاہد دبا کر پیچھے ہٹا دیتے۔ کبھی رومی بڑھ آتے۔

پادری انجیل اٹھائے مذہبی جذبات کو بھڑکا رہے تھے۔ نجات کی

دستاویزیں بانٹ رہے تھے حضرت مسیحؑ کا واسطہ دے رہے تھے۔ خون خون، کی پکار تھی، آسمانی بادشاہت کی جے کار تھی۔

عمرو بن عاص نے جنگ کا رنگ بدلنا چاہا۔ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر قلب پر حملہ کیا۔ مجاہدوں نے بھی نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ ایک نیا جوش مجاہدوں کو سرمست کرنے لگا، وہ عمرو بن عاص کے ساتھ بڑھے۔ ایک ایسی زبردست ٹکر ماری۔ کہ رومی پہاڑ لرز گیا۔ قلعۂ لشکر میں دراڑیں پڑ گئیں۔ لشکر کی ترتیب درہم برہم ہو گئی۔

مینوایل نے یہ حال دیکھا تو خود بڑھا۔ اپنے لشکر کو بڑھایا۔ لشکر کی ترتیب کو درست کرنے کی کوشش کی۔ مگر مجاہدوں نے اس کی ساری محنت کو مٹی میں ملا دیا، رومی کٹنے اور دبنے لگے۔ مجاہد کاٹنے اور بڑھنے لگے، مینوایل آڑے آیا۔ عمرو بن عاص کے مقابل ہوا۔ اسے اپنی شہزوری اور تجربہ کا غرور تھا۔ وہ عمرو بن عاص جیسے نحیف و نزار پر حملے کے لیے پر تول کر آیا تھا۔ ایک مجاہد نے اسے ٹوکا، عمرو بن عاص نے مجاہد کو روکا: "نہیں نہیں یہ میرا شکار ہے اسے میرے لیے چھوڑ دو۔"

مجاہد نے پہلو دیا اور دوسری طرف نکل گیا۔ مینوایل نے بڑھ کر حملہ کیا عمرو بن عاص نے حملہ روکا اور اس پھرتی سے تلوار کی دھار آزمائی کہ مینوایل کی گردن میں نصف تک اتر آئی۔ وہ لڑکھڑا کر گھوڑے سے گرا۔ اور اپنے آخری سانس گننے لگا۔

عمرو بن عاص مینوایل سے فارغ ہوا۔ تو اپنے میمنہ اور میسرہ کو پھیلا کر

رومیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ ان کا سردار تو کٹ ہی چکا تھا۔ مگر اتنے بڑے لشکر میں یہ خبر جلد نہ پھیل سکی۔ اس لیے قلب پریشان ہوا۔ مگر میمنہ، میسرہ مقابلہ پر ڈٹے رہے۔ اب جو مجاہدوں نے انھیں گھیر کر قتل کرنا شروع کیا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ اردگرد، مجاہد پھیلے ہوئے پائے، گھبرا کے یا مسیحؑ! یا مسیحؑ! کی پکار ہونے لگی، مینوایل کی ہلاکت سے مطلع ہوئے تو الاماں الاماں کا شور مچ گیا، تلواریں ہاتھوں سے گر گئیں، نیزے زمین پر آ پڑے، ترکش کندھوں سے کھسک گئے، آنکھوں میں موت کی تصویر آ گئی، اسکندریہ کے بے بس مسلمانوں کے خون آلود چہرے دکھائی دینے لگے، معصوموں کے لہو بھرے جسم فریادی نظر آئے، گھبرائے کہ اب کیا ہوگا؟ کاش ہم مسلمانوں پر اتنا ظلم نہ کرتے!

عمرو بن عاص نے الاماں کا شور سنا، ہتھیار پھینکے ہوئے دیکھے۔ مجاہدوں کو حکم دیا۔ تلواریں نیام میں کر لو، ہماری طرف امان ہے۔

مجاہدوں نے فوراً ہاتھ روک لیے تلواریں نیاموں میں گھس گئیں۔ نیزوں نے اپنے سر جھکا دیئے۔ وہ ظالم جنھوں نے مسلمانوں کا خون بہا کر خوشی و مسرت کے جام چڑھائے تھے، جو بد مست ہو کر آئے تھے جنھیں قواعد جنگ معاف نہیں کر سکتے تھے۔ عمرو بن عاص نے انھیں بھی معاف کر دیا

اسکندریہ کے رومیوں کا اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔ انھوں نے غداری کی تھی، بے وفائی کے مرتکب ہوئے تھے، مسلمانوں کا خون بہایا تھا، شہنشاہ روم کو اکسایا اور اسکندریہ پر حملہ کرایا تھا مگر جب انہوں نے ننگے سر حاضر ہو کر

امان مانگی تو عمرو بن عاص نے انھیں بھی معاف کر دیا۔

اس فتح کی یاد میں وہاں ایک مسجد بنائی گئی۔ جس کا نام مسجد رحم رکھا گیا گویا یہ اس واقعہ کی یادگار تھی۔ کہ مسلمانوں نے غدار، بے وفا، ظالم، سفاک بے رحم، انسان نما درندوں کو بھی معاف کر دیا تھا۔ اور جناب رحمت اللعالمینؐ کے طفیل دشمنوں پر بھی رحم کیا تھا۔

عمروؓ بن عاص نے اہل اسکندریہ کی غداری اور رومی حملوں سے تنگ آ کر شہر کی فصیل اور برج مسمار کر دیئے۔ تا کہ اہل اسکندریہ اور رومی شہر کی قلعہ بندی سے مستفید نہ ہو سکیں۔

جنگ طرابلس (۲۶ھ)

اسکندریہ فتح ہوا، بیرونی خطرہ دور ہوا، اندرونی اختلافات نے سر نکالا۔ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن سعد میں کشمکش شروع ہوئی دونوں نے دربار خلافت میں اپنی اپنی شکایات بھیجیں۔ حضرت خلیفہ ثالث رضؓ نے عمرو بن عاص کو واپس بلا لیا۔ اور عبداللہ بن سعد مصر کا حاکم مقرر ہوا۔

عبداللہ بن سعد مشہور شجاع، جنگجو اور بے مثال شہسوار تو تھا۔ مگر انتظامی امور اور جنگی سیاست میں کمزور تھا۔ وہ اپنی ساکھ کو بڑھانا اور اپنے آپ کو مصر کی حکومت کا اہل دکھانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا۔ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

مشیروں نے کہا: "اپنی بہادری کے جوہر دکھاؤ، اسلامی سلطنت کے حدود بڑھاؤ، خدا کا نام آس پاس کے علاقوں میں پھیلاؤ، لوگ دیکھیں گے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اسلام کی طاقت بڑھے گی تو تمہارا نام بھی اونچا ہو جائے گا۔

عبداللہ نے یہ بات مان لی۔ مصر کی حاکو پھلانگا، لیبیا کے صحرا کو عبور

کیا اور طرابلس کے دروازے پر جا اترا، یہ شہر اپنی دولت و ثروت کے لحاظ سے مشہور تھا، اس کا قلعہ مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا۔ شمالی افریقہ کے وقار و تمکنت کی تصویر تھا۔ رومی سلطنت کو اس پر ناز تھا۔ اس پر حملے کا کسی کو خیال نہ تھا کیونکہ صحرائے لیبیا کو عبور کرنا آسان نہ تھا۔

جب عبداللہ بن سعد کی افواج دیکھیں تو حاکم طرابلس نے شہنشاہ روم کو اطلاع دی اور کمک مانگی۔ خود حاکم طرابلس قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ عبداللہ نے شہر کا محاصرہ کیا۔ شہر بند، اہل شہر چاق و چوبند، دروازے مضبوط و مستحکم کریں تو کیا کریں؟ لڑیں تو کیسے لڑیں؟

عبداللہ اسی سوچ میں تھا۔ کہ جاسوس خبر لائے "رومی کمک آ رہی ہے" فوراً مجاہدوں کا ایک دستہ ساحل کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر فوج جہازوں سے اتری، ادھر مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ رومیوں کو تلواروں پر لیا اور ساحل ہی پر خاتمہ کر دیا۔

جب یہ روح فرسا خبر قسطنطنیہ پہنچی تو شہنشاہ روم متردد ہوا۔ "اب یہ بلا افریقہ میں بھی آ پہنچی ہے، مسلمان ہیں کہ دیو ہیں۔ انھیں کوئی کیسے روکے؟ مصر و شام چھینے، فلسطین چھینا، لاکھوں رومیوں کو تہ تیغ کیا۔ مگر جبر اب دن کے بھی دن پورے ہوئے، وطن سے دور ہیں۔ مزید کمک سے مجبور ہیں۔ صحرا کے سینے سے گزرنا، ریت کے بھوبل کو عبور کرنا آسان نہیں"۔

حاکم افریقہ جرجیر رومی تھا، شہنشاہ روم کا باج گزار اور نمک خوار تھا بڑا بہادر اور تیز و طرار تھا۔ اپنے دستہ کی ہلاکت سن چکا تھا۔ اس نے ایک

لاکھ بیس ہزار فوج، کیل کانٹے سے لیس اپنے ساتھ لی اور طرابلس کی طرف بڑھا۔ اس فوج میں بربر کی جنگجو افواج بھی شامل تھیں۔

اسے اپنے لشکر پر ناز تھا، تعداد پہ فخر تھا، شہنشاہ کی مدد اس کے سوا تھی۔

جرجیر کی ایک بیٹی تھی، خورشید پارہ، ماہ تمثال، حور وش، خوش ادا، موزوں قامت، غزال چشم، حسن مجسم، شاہیں تمثال، جنگجو، نڈر، بے باک تیغ زنی میں ماہر، نیزہ بازی میں قاہر، تیر افگنی میں کامل، وہ بھی باپ کے ساتھ تھی۔ رومی افواج اس کے اشارۂ چشم و ابرو پہ قربان تھیں، ایک ایک ادا پر نثار تھیں۔

جرجیر کی لشکر کشی پر عبداللہ بن سعد نے محاصرہ چھوڑا، قلعہ سے دور ایک میدان میں لشکر جمایا۔ ترتیب درست کی اور انتظار کرنے لگا۔ رومی آتے گئے، میلوں تک خیمہ و خرگاہ استادہ ہو گئے، لشکر گاہ پھیلتی گئی، فوجیں اترتی گئیں، میدان کی تپتی ہوئی زمین کے سینے میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔

رات تیاری اور مورچہ بندی میں گزری، صبح ہوئی۔ مجاہد نماز سے فارغ ہوئے، عبداللہ نے مجاہدوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"بہادر مجاہدو! گرمی سخت ہے اور جنگ اس سے سخت تر، مگر یاد رکھو یہ سب گرمیاں جہنم کی گرمی کے سامنے ہیچ ہیں۔ ابدی راحت اور ہمیشہ کا چین، سکھ جنت کے سوا کہیں نہیں۔ تم جنت کی تلاش میں نکلے ہو۔ جنت قریب ہے۔ اتنی قریب کہ ابھی تمہاری روحیں اسے محسوس

کرنے لگیں گی۔

بے شک دشمن کی تعداد ہم سے کئی گناہ زیادہ ہے۔ یاد رکھو وہ جتنے زیادہ ہیں اتنے ہی زیادہ کٹیں گے، خدا ہمارے ساتھ ہے وہ ہمیں فتح و نصرت عطا کرے گا۔

میرے بہادرو! اسلام کا نام چاردانگ عالم میں پھیلا دو، عرب کا نام روشن کرو۔ اپنی بہادری، شہسواری، شہزوری کے جوہر دکھاؤ، بازوں کی طرح جھپٹو عقابوں کی طرح حملہ کرو، چیتوں کی طرح لڑو، شیروں کی طرح بڑھو، اس نئے ملک میں اپنی بہادری کی دھاک بٹھا دو۔"

عبداللہ نے جرجیر کو پیغام بھیجا "رومی حاکم! اگر تم اسلام لے آؤ تو ہمارے بھائی ہو۔ اگر صلح چاہو۔ تو جزیہ ادا کر کے ہماری حفاظت میں آجاؤ۔ اگر یہ دونوں شرطیں منظور نہیں۔ تو لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

جرجیر سمجھا۔ مسلمان اس کے لشکر کی کثرت سے گھبرا گئے ہیں۔ اس نے جواب میں کہا۔

"مسلمان امیر لشکر! تمھاری دونوں شرطیں ہمیں منظور نہیں۔ تیسری شرط ایسی ہے۔ جو ہم تم میں فیصلہ کر دے گی۔ ہم اسے ماننے کے لیے تیار ہیں۔"

رومی لشکر آراستہ ہو کر میدان میں آیا۔ مجاہد پہلے ہی تیار تھے، دونوں فوجیں مور قدم چلتی ایک دوسری سے مل گئیں۔ دھوپ کی چمک میں تلواروں کی دمک بجلیاں چمکاتی، ستارے گراتی سارے لشکر میں گھومنے لگی۔ ہر طرف تلواریں ہی

تلواریں تھیں، جن کی زبانیں سورج کی کرنوں سے بھی بڑھ کر روشن اور تابناک تھیں گھمسان کا رن پڑا، زور کی لڑائی چھڑی اور بڑھتی ہی گئی۔ دونوں طرف سے جان نثاری اور فداکاری کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ خون بہہ رہا تھا اور اس کی لہروں کو اور تیز تر کئے جا رہا تھا۔ مجاہد تکبیر کے نعرے لگا رہے تھے اور رومی یا یسوعؑ کا وظیفہ رٹ رہے تھے۔ ناقوس بجائے جا رہے تھے، ڈھول پیٹے جا رہے تھے۔ اس شور اور ہنگامہ دارو گیر میں زخمیوں کی چیخ پکار دب کر رہ گئی تھی، میدان جنگ تلواروں کا کھیت تھا۔

سورج سر پر آ گیا۔ دھوپ بڑھی، ہوا کے جھونکے آگ کے شعلوں میں تبدیل ہو گئے۔ زمین بھڑ بھونجے کا بھٹ بن گئی۔ سانس لینا دشوار ہو گیا۔ قدم اٹھانا دوبھر ہوا، دونوں فوجیں اپنے اپنے کیمپ میں آ گئیں۔ لاشے دھوپ میں رہ گئے۔

اسی طرح کئی دن گزر گئے جنگ پہلی رفتار سے چلتی رہی، جرجیر نے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ مجاہدوں کے حوصلے بڑھ رہے ہیں اور رومی اس گرمی سے گھبرا رہے ہیں۔ عرب سردار عبداللہ بن سعد کی بہادری کا جواب نہیں۔ وہ اکیلا میمنہ میسرہ اور قلب کی مدد کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اب تک کوئی رومی نہیں ٹھہر سکا۔ سوچنے لگا، عرب سردار کو کیسے ٹھکانے لگایا جائے۔ اس پر کیسے قابو پایا جائے؟ سوچا اور بہت سوچا۔ آخر اعلان کر دیا۔ کہ

"جو بہادر اسلامی سردار کا سر کاٹ لائے وہ ایک لاکھ اشرفی انعام پائے اور میری بیٹی سے شادی رچائے۔"

بیٹی کیا تھی۔ ایک آفت تھی، حسین تھی، شیریں ادا تھی، جوان تھی، رعنا تھی بہادر تھی، شمشیر زن تھی، اپنی فوجوں کے شانہ بشانہ اپنے باپ کے دوش بدوش لڑتی تھی، بڑھ بڑھ کر تلوار چلاتی تھی۔ اس کی شمشیر زنی رومیوں کے بازوؤں میں زور اور اس کا حسن رومیوں کے دلوں میں مستی پیدا کر رہا تھا، وہ اس پر سو جان سے نثار تھے۔ اب جو انعام کا اعلان ہوا تو بجھے ہوئے دلوں میں بھی امید کے چراغ روشن ہو گئے، بزدلوں کے دل مضبوط ہو گئے، وہ اسلامی سردار کی تاک میں رہنے لگے، تاکہ موقع پائیں تو سردار پر تلوار چلائیں اور جرجیر سے انعام پائیں۔

مجاہدوں کو اس بات کا احساس تھا۔ کہ رومی جرجیر کی بیٹی پر فریفتہ ہیں۔ وہ جان دے کر بھی اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ عبداللہ کو گزند پہنچا، تو اسلامی لشکر کو شکست ہو جائے گی اور کچھ بنائے نہ بنے گا۔ انھوں نے اسے مشورہ دیا کہ آپ میدان جنگ میں نہ جائیں۔ اپنے خیمے میں بیٹھ کر فوج کو لڑائیں۔

عبداللہ نے یہ بات مان لی اور اپنے خیمہ سے باہر نہ نکلا، مجاہد لڑتے رہے۔ رومیوں کو دباتے اور پیچھے ہٹاتے رہے۔ مگر رومی دل کے دل تھے گھٹتے تھے، ہٹتے تھے اور پھر بڑھتے تھے۔ جرجیر کے انعام نے انھیں اندھا کر رکھا تھا۔ محبوبہ، دلربا و شجاع کی محبت میں از خود رفتہ تھے۔ وہ شرابیوں کی طرح بڑھتے اور مخموروں کی طرح جھومتے تھے۔ جرجیر کی بیٹی، حسین و نازنین حسن کی تصویر، جوانی کے خواب کی تعبیر، زلفیں لٹکائے، بال بکھرائے، تیغ اٹھائے، گھوڑا دوڑائے جدھر سے نکل جاتی، رومی ادھر ہی دل تھام کر رہ

جاتے۔ جب اسے باپ لینے کا خیال آتا تو جھوم کر تیغ اٹھاتے۔

حضرت خلیفہ ثالث رضؓ کا دھیان عبداللہ کی طرف تھا۔ انھوں نے مدینہ منورہ سے ایک فوج مرتب کی۔ جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت حسنؓ بن علیؓ، حضرت حسین بن علیؓ، حضرت ابن جعفرؓ وغیرہ جیسے جوانان مدینہ شامل تھے۔ یہ فوج ظفر موج مصر سے ہوتی ہوئی رقہ پہنچی اور وہاں سے دم لیے بغیر آگے بڑھتی گئی۔

عبداللہ اپنے خیمے میں تھے۔ مجاہد اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ عربی اور رومی تلواریں ٹکرا رہی تھیں، اللہ اکبر کے نعرے گونج رہے، رومی صلیبیں چوم چوم کر برسرِ پیکار تھے۔ جرجیر کی بیٹی ہتھیار پہنے، گھوڑے پر سوار نہایت پھرتی سے ادھر سے ادھر آ جا رہی تھی۔ جہاں رومیوں کو دبتا دیکھتی، گھوڑا اڑاتی اور وہاں پہنچ جاتی۔ اس کی آمد سے سپاہیوں کے حوصلے بڑھ جاتے اور موت کی پروا کیے بغیر بڑھ بڑھ کر تلوار چلاتے۔

آج عبداللہ کی غیر حاضری بُری طرح محسوس ہو رہی تھی۔ رومی فوج مسلمانوں کو دبا رہی تھی۔ بڑھ بڑھ کر تلوار چلا رہی تھی۔ مجاہد لڑ رہے تھے۔ مگر عبداللہ کے شیرانہ حملوں کی کمی تھی۔

دفعتہً اللہ اکبر کی صدا گونج اٹھی، مجاہدوں نے اپنا کام جاری رکھا اور اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ رومیوں کے دل ہل گئے۔

جرجیر اس غیر متوقع نعرۂ مسرت سے گھبرایا۔ جاسوسوں کو بلایا اور

حکم دیا۔ دیکھو یہ جوش و مسرت کیسی ہے؟ جاسوس دوڑ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد خبر لائے کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے ایک نئی فوج آئی ہے جرجیر یہ سن کر گھبرایا۔ مگر حواس جمع کر کے بولا۔ کوئی بات نہیں۔ جتنے زیادہ مسلمان مارے جا سکیں، اتنا ہی بھلا ہے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے لشکر کو اپنے ساتھ لیا اور آرام کیے بغیر مجاہدوں میں شامل ہو گیا۔ لڑائی ترانہ د ہو گئی۔ مگر عبداللہ بن سعد دکھائی نہ دیا۔ پوچھا۔

"مجاہد! عبداللہ کہاں ہے"؟

"وہ اپنے خیمے میں ہیں"!

جنگ کے دن خیمے میں کیوں بیٹھے ہیں؟

"آپ ان سے مل لیں۔ معاف کیجیے میدان جنگ میں زیادہ باتیں نہیں ہو سکتیں!

"تم نے درست کہا، مجاہد! خدا تمہیں اس محنت اور جاں نثاری کا صلہ عطا کرے"!

عبداللہ بن زبیر خیمے میں آئے، عبداللہ سے ملے اور پوچھا۔ جنگ کا دن، گھمسان کی لڑائی، فوج میدان میں اور سپہ سالار خیمے میں۔ کیا بات ہے؟

عبداللہ بن سعد نے جواب دیا۔ بات یہ ہے کہ جرجیر نے میرے سر کے لیے انعام مقرر کیا ہے۔ جو میرا سر کاٹے گا۔ اسے وہ اپنی جوان سال خوش ادا و خوش جمال، شجاع و بہادر بیٹی انعام میں دے گا۔ لہذا مجھے سب

نے یہ مشورہ دیا ہے کہ میں میدان جنگ میں نہ جاؤں۔ تاکہ کوئی رومی مجھے قتل نہ کر دے اور لشکر اسلام ہزیمت و شکست سے بچا رہے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا۔ موت کو کون روک سکتا ہے؟ اس میں تو ایک ساعت کی تقدیم و تاخیر ناممکن ہے۔ رہا جرجیر کا انعام! تو تم اپنی طرف سے یہ اعلان کرادو کہ جو شخص جرجیر کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اسے ایک لاکھ اشرفی جرجیر کی بیٹی کے علاوہ جرجیر کے علاقہ کی حکومت بھی دی جائے گی۔

عبداللہ نے یہ اعلان کرادیا اور آپ میدان جنگ میں آشامل ہوئے۔ مجاہدوں نے اس اعلان کا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا اور ان کے بازوؤں میں جان سی آگئی اور اب وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔

دوپہر ہو رہی تھی۔ سورج کا آتشکدہ شعلے مار رہا تھا۔ گرمی نے میدان جنگ کو گلخن، بنا رکھا تھا، زمین و آسمان تپ بلکہ، پھنک رہے تھے پرندوں کا کہیں نشان نہ تھا، ہوا کے جھونکے آتے تو اپنے ساتھ لُو کے بگولے لاتے۔ باد سموم کو ٹھکراتے، زندگی سہم جاتی اور موت کے اوسان خطا ہو جاتے۔

دستور کے مطابق دونوں فوجیں جدا ہوئیں، لڑائی ختم ہوئی، مجاہد اور رومی اپنے اپنے خیموں میں آگئے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی ہونے لگی۔ لاشوں کے ڈھیر زبان حال سے کہہ رہے تھے "اب ہمیں اپنے ساتھ نہ لے جاؤ گے، کیا ہم یہیں پڑے سڑیں گے؟"

عبداللہ بن زبیر نے عبداللہ بن سعد سے کہا:۔

"یہ جنگ کب تک جاری رہے گی؟"

"جب تک رومی اسے جاری رکھیں گے!"

"کیا ہم ساری عمر یہیں لڑتے لڑتے مر جائیں گے؟"

"کچھ وقت تو ضرور لگے گا!"

"رومی فوجیں کمک پاتی رہیں گی۔ یہ ان کا اپنا ملک ہے۔ یہاں آدمیوں کی کمی نہ ہو گی۔ اقوام بربر سخت جان اور مردان میدان ہیں۔ اس طرح تو نہ مدافعت ختم ہو سکتی ہے نہ ان کی آمد رک سکتی ہے" عبداللہ بن زبیر نے کہا:

"پھر کیا کیا جائے؟ میں بھی اسی سوچ میں ہوں"

"ہمیں یہ جنگ جلد از جلد جیتنی چاہیے۔ تاکہ اس ملک پر ہماری دھاک بیٹھ جائے اور ہماری پیش قدمی نہ رکے"!

"مگر سوال یہ ہے کہ جنگ کس طرح جیتی جائے۔ رومیوں نے مرنے مارنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ جرجیر کی بیٹی ان کے لیے بہت بڑا تحفہ ہے"!

"ہوا کرے۔ بہر حال ہمیں رومیوں کو جلد از جلد شکست دینا چاہیے!"

"یہ درست ہے مگر یہ کیسے ممکن ہے"؟

"ہم خیموں میں پڑے رہنے کے لیے گھر سے نہیں نکلے۔ نہ آرام کے لیے یہاں آئے ہیں۔ ہمیں اپنی جانیں دے کر بھی خدا کا نام اس کی مخلوق تک پہنچانا ہے۔ گرمی، سردی، برسات، جنگل، پہاڑ، صحرا، باغ ہمارے راستے میں کاوٹ نہیں بن سکتے۔ سنو! کل تم فوج لے کر نکلو۔ میں اپنے دستے سمیت خیموں میں آرام کروں گا۔ جب دوپہر کی گرمی سے نپٹنے کے لیے دونوں فوجیں ایک دوسری

سے جدا ہوں گی تو میں اپنے دستے کو لے کر حملہ کر دوں گا، اگر خدا نے چاہا تو کل ہی یہ جنگ ختم ہو جائے گی! اور ہم کامیاب و فاتح ہوں گے"

"بات تو معقول ہے۔ مگر گرمی کی شدت، دوپہر کو حملہ کیسے کرنے دے گی؟

"تم یہ بات مجھ پہ چھوڑ دو"

جب تک سورج کی آنکھیں کھلی رہیں۔ آگ کے طوفان چلتے رہے صحرا کے سینے سے گرمی کے بھبوکے نکلتے رہے، لُو کے جھکڑ مچلتے رہے ادھر سورج کی آنکھیں مچیں۔ ادھر ٹھنڈک سی پڑنے لگی؛ روشنی گھٹنے اور تاریکی بڑھنے لگی۔ دونوں فوجوں نے اپنے اپنے مقتولوں کی لاشیں اٹھائیں اور انھیں ٹھکانے لگایا۔ میدان صاف ہو گیا۔

مؤذن کی اذان نے صبح کی آمد کا اعلان کیا، مجاہد اٹھے؛ نماز پڑھی۔ خدا سے دعا مانگی اور صفیں درست کر کے میدان میں آ گئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے دستے نے خیموں کو نہ چھوڑا۔ وہ تیار ہو کر خیموں میں بیٹھے رہے اور جنگ کا نظارہ کرتے رہے۔

مجاہد آج بھی خوب لڑے؛ عبداللہ بن سعد نے ترکانہ حملے کیے، دشمن کی صفیں الٹ دیں۔ انھیں دبایا، دوڑایا، نعرۂ تکبیر لگایا اور اس طرح ہلایا جس طرح برتن میں جامن ڈال کر ہلاتے جاتے ہیں۔

رومی پسپا ہو رہے تھے، دوپہر قریب تھی۔ وہ جلد از جلد اپنے خیموں میں پہنچ گئے۔ ادھر مجاہد بھی پلٹے اور کیمپ میں آ داخل ہوئے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کا دستہ تیار ہی تو تھا۔ اس نے اپنے گھوڑوں کی باگیں

اٹھائیں اور رومی کیمپ پر حملہ کر دیا۔ تھکے ہارے رومیوں نے بہتیری کوشش کی۔ مگر عبداللہ کا عقابی حملہ نہ روک سکے۔ کچھ کٹے، کچھ بھاگے، پورے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ جرجیر نے موقع کی نزاکت کو تاڑا، اپنا گھوڑا بڑھایا اور ابن زبیر کے مقابل آیا دونوں کی تلواریں ایک دوسری سے ٹکرائیں۔ بجلی چمکی اور دور تک روشنی پھیل گئی تیسرے وار میں جرجیر خربوزے کی طرح کٹ کر دو پھانک ہو گیا۔

جرجیر کی بیٹی بھی اس ہنگامہ میں باپ کے ساتھ تھی۔ اس نے باپ کو کٹتے دیکھا تو دیوانہ وار لپکی۔ تلوار کھینچی اور حملہ کر دیا۔ مجاہد نے تلوار اس کے ہاتھ سے چھین لی اور اسے گرفتار کر لیا۔

جرجیر کی موت، ایک لاکھ بیس ہزار رومیوں کی موت تھی۔ اب کون لڑتا، کون مقابلہ کرتا، سردار لقمہ شمشیر، ماہ جبین اسیر، ہزاروں قتل ہوئے۔ سیکڑوں جان بچا کر بھاگے اور صحرا کی بالو ریت میں گم ہو گئے۔

مجاہدوں نے مال غنیمت جمع کیا۔ پیادوں کو ایک ایک ہزار اشرفی ملی، سواروں نے دو دو ہزار دینار پائے، خدا کا شکر ادا کیا

جرجیر کی بیٹی عبداللہ کے سامنے لائی گئی، وہ گرفتار تھی، غمگین واندوہگیں تھی، اگرچہ اسیر تھی، مگر حسن کی تصویر تھی، چہرہ پر دھول پڑی تھی، زلفیں پریشان اور دل حیران تھا کہ کیا سے کیا ہو گیا؟ وہ کچھ پیش آیا جس کی امید نہ تھی!

عبداللہ نے پکار کر کہا۔ جرجیر کا قاتل آئے اور انعام پائے"

جواب میں خاموشی اور حیرت تھی، عبداللہ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ آخر سردار نے جرجیر کی بیٹی سے پوچھا۔ کیا تو بتا سکتی ہے کہ تیرے باپ کا

قاتل کون ہے؟

جواب ملا۔ ہاں! میں نے اسے اپنے باپ سے لڑتے ہوئے دیکھا ہے اس نے میرے ہاتھ سے تلوار چھین لی تھی۔"

اچھا بتاؤ وہ کون بہادر ہے؟

لڑکی نے ابن زبیر کی طرف اشارہ کیا۔

عبداللہ نے کہا۔ ابن زبیر! آؤ۔ اپنا انعام لو!

ابن زبیر نے جواب دیا۔ میں نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے جہاد کیا ہے۔ مجھے دنیوی چیزوں کی طمع نہیں۔ میں اشرفیوں اور اس حسینہ کے لیے اپنا اجر ضائع کرنا نہیں چاہتا!

عبداللہ نے بہت کہا سنا مگر ابن زبیر نے قبول نہ کیا۔ آخر عبداللہ نے کہا "مال غنیمت اور اس لڑکی کو لے کر خلیفہؓ کے حضور پہنچو۔ وہ جس طرح مناسب سمجھیں گے فیصلہ کریں گے"

ابن زبیر نے مال غنیمت اونٹوں پر لاد دیا اور مدینہ کی راہ لی۔ بعد از قطع منازل خلیفہؓ کے حضور حاضر ہوا۔ مال غنیمت اور عبداللہ کا خط پیش کیا۔ فتح کی خوشخبری سنائی۔ جسے سن کر حضرت خلیفہ ثالثؓ اور اہل مدینہ بے حد خوش ہوئے۔

خط پڑھا تو لڑائی کا حال، ابن زبیر کی جوانمردی بے مثال، انعام لینے سے انکار اور عبداللہ کے اصرار کی پوری کیفیت معلوم ہوئی۔ آپ نے ابن زبیر سے پوچھا۔ بیٹے! تم نے انعام لینے سے کیوں انکار کیا؟

ابن زبیر نے کہا۔ اس لیے کہ میں نے یہ کام کسی دنیا کے انعام واکرام کے لیے نہیں کیا۔ بلکہ صرف خدا کے لیے کیا ہے : خدا اسے قبول فرمائے۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر انعام ناممکن ہے!

حضرت خلیفہ نے کہا۔ اپنا انعام لو۔ خدا کے ہاں سے اس کارنامے اور جاں نثاری کا انعام الگ ملے گا۔ غرض مجبور ہو کر ابن زبیر نے ایک لاکھ اشرفی اور جرجیر کی بیٹی کو قبول کر لیا

اس واقعہ سے ابن زبیر کی سیر چشمی، بلند خیالی، ولولہ جہاد تدبیر جنگ کی دھاک بیٹھ گئی۔ جو شخص یہ واقعہ سنتا، ان کا گرویدہ ہو جاتا اور آہ بھر کر کہتا۔ کاش! مجھے بھی ایسی ہی بلند ہمتی، علو خیال اور جوش جہاد فی سبیل اللہ حاصل ہوتا!

جنگ قبرص (۲۸ھ)

عبداللہ بن سعدؓ افریقہ سے واپس آیا۔ مصر پہنچا تو حضرت خلیفہ رضؓ نے اسے واپس بلا لیا اور اس کی جگہ عبداللہ بن نافعہ کو حاکم مصر کے عہدہ پر فائز کیا۔

قسطنطین قیصر روم عبداللہ بن سعد کے ہاتھ دیکھ چکا تھا۔ جب یہ سنا کہ عبداللہ کو واپس بلا لیا گیا ہے اور ایک دوسرا عبداللہ حاکم مصر ہوا ہے تو اس کے مردہ عزائم میں جان سی آگئی، بجھے ہوئے ولولے، مری ہوئی امیدیں زندہ ہو گئیں۔ اس نے ایک بحری فوج افریقہ کے ساحل پر اتاری اور اسلامی مقبوضات سے خراج کا مطالبہ کیا۔ انکار پایا تو تلوار دکھائی اور حملہ کر دیا۔ رومی کثیر تھے اور اہل اسلام قلیل، مصر سے بر وقت کوئی مدد بھی نہ پہنچ سکی۔ بالآخر رومی غالب آئے اور مغلوب مسلمان تلوار کے گھاٹ اتار دئے گئے۔

اس فتح سے رومیوں کا دل بڑھا اور انھوں نے اپنی فوجوں کو اسکندریہ پر بڑھایا۔ یہ فوج خشکی کے راستے دندناتی، لوٹ مار مچاتی، فتح کے گیت گاتی "صلیب کی جے" کے نعرے لگاتی اسکندریہ پر بڑھی۔ قیصر روم نے چھ سو کشتیوں

کا بیڑا تیار کیا اور سمندر کے سینہ پر سوار، امیدوں کے چمن زار کھلاتا، فوجیوں کا دل بڑھاتا، اسکندریہ کی طرف چلا تاکہ اسکندریہ پر دو طرف سے حملہ کر کے اسے فتح کرے۔

رومیوں کی یلغار اور ان کی لوٹ مار کی اطلاع پا کر مجاہد اسکندریہ کی حفاظت کو بڑھے۔ دونوں لشکر ملے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے رومی فوج کی بوٹیاں اڑا دیں اور انھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ قسطنطین کی فوج کا جو سپاہی زمین پر قدم رکھتا۔ مجاہد فوراً اسے کاٹ دیتے۔ اس طرح دونوں طرف کی رومی فوجیں اپنے ہزاروں جوانوں کو قربان کر کے بھاگیں۔ قسطنطین جزیرہ قبرص جا پہنچا اور اپنے نوجوانوں کی لاشیں تک ٹھکانے نہ لگا سکا۔

قسطنطین جانتا تھا کہ مسلمانوں کے پاس جہاز نہیں۔ بحری جنگ سے ناآشنا ہیں۔ بلکہ ان کے خلفا انہیں سمندر میں قدم رکھنے سے بھی روکتے ہیں اس نے قبرص کو محفوظ مقام سمجھ کر وہاں ڈیرا ڈال دیا۔ تاکہ سمندر کے راستے اسلامی مقبوضات پر حملے ہوتے رہیں اور آخر مسلمانوں کو تھکا تھکا کر بھگا دیا جائے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ سے درخواست کی تھی کہ ساحل شام کی حفاظت کے لیے قبرص پر حملہ کی اجازت دی جائے، لیکن مختاط امیرالمومنین نے انکار کر دیا تھا اور فرمایا تھا۔ ہمیں وسعت سلطنت کی ضرورت نہیں۔ جو ممالک سلطنت خداداد میں شامل ہیں۔ ان کے انتظامات کو استحکام دو اور رعایا کی بہتری اور بھلائی کے کاموں میں مصروف رہو۔"

قسطنطین قبرص میں مقیم ہوا تو ساحل شام پر حملے کا خطرہ بڑھ گیا۔ حضرت

امیر معاویہؓ نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ قبرص کی فتح نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر قیام امن محال ہے۔

حضرت امیر المومنینؓ نے اجازت فرمادی۔ حضرت امیر معاویہؓ بہت خوش ہوئے، بہت سی جنگی کشتیاں بنوائیں۔ ایک فوج مرتب کی۔ جس میں حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابو الدرداؓ، شداد بن اوسؓ، عبادہ بن صامتؓ اور ان کی خاتون محترم، ام حرام بنت ملحان بھی شامل تھیں۔ اس فوج کی سالاری حضرت عبداللہ بن قیس کو عطا ہوئی۔

مجاہد کشتیوں میں بیٹھے، خدا کا نام لیا اور بہ توکل علی اللہ چل دیئے۔ سمندر کی لہروں نے اٹھ اٹھ کر استقبال کیا، یہ لہریں مجاہدوں کے عزائم کی طرح بلند تھیں۔ ان کے سینے مجاہدوں کے دلوں کی طرح پاک تھے۔ سمندر کے جانور اور آسمان کے فرشتے ان کے لیے دعائیں کرتے تھے۔

جونہی یہ لشکر قبرص کے ساحل پر اترا۔ ام حرامؓ گھوڑے پر سوار ہوئیں۔ اتفاق کی بات گھوڑا بدک گیا۔ وہ گھوڑے سے گر پڑیں۔ ایسی چوٹ آئی کہ فوت ہوگئیں اور جس کی راہ میں نکلی تھیں اسی سے جا ملیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایسی ہی پیش گوئی فرمائی تھی، جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ انھیں وہیں ساحل قبرص پر دفن کر دیا گیا۔

مصر سے بھی مجاہدوں کا ایک دستہ قبرص کے کنارے آن اترا۔ قسطنطین کو امید تھی کہ مسلمان پانی کے قریب نہیں آئیں گے۔ انھیں سمندر کا کوئی تجربہ نہیں، یہ بحری لڑائی کے اصول و قواعد سے آگاہ نہیں مگر جب دیکھا کہ ایک چھوڑ دو لشکر

آ گئے۔ تو اس نے بھی خشکی اور سمندر دونوں طرف سے حملہ کر دیا۔
خشکی پر تو یہ حملہ بہت آسانی سے روک دیا گیا۔ مگر سمندری جنگ میں
رومی بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے۔ اسلامی کشتیوں کو گھیر لیتے اور نیزوں کے وار
شروع کر دیتے، مجاہد تلوار کے دھنی اور نیزہ بازی کے ماہر تھے جب حملہ
کرتے تو رومی کشتیاں دور بھاگ جاتیں۔ مجاہدوں نے سوچا یوں کام نہ بنے گا
اسلام کی یہ پہلی بحری جنگ ہے۔ خدانخواستہ اس میں شکست ہو گئی۔ تو سمندر
سے خشکی پر پہنچنا مشکل ہوگا۔ لہٰذا ان کشتیوں کی قبریں اسی سمندر کی تہہ میں
بننی چاہئیں۔

مجاہدوں نے اپنی کشتیوں کو یکجا کر کے رسوں سے باندھ دیا اور اس طرح
ایک جنگی ساحل بنا لیا۔ یہ ساحل انھیں میدان کا کام دینے لگا۔ پھر اس ساحل
میں حرکت پیدا ہوئی اور رومی کشتیوں کے قریب جا پہنچے۔ جو کشتی پائی۔ چھلانگ
لگائی اور اس میں سوار ہو گئے۔ رومیوں کو قتل کیا۔ کشتی کو اپنی کشتیوں سے باندھ
دیا۔ کچھ کشتیاں دوڑ دوڑ کر سمندر میں فنکار کرنے لگیں۔ مجاہد اور رومی ایک دوسرے
پر حملے کرتے، کشتیاں الٹتیں اور سمندر کے پیٹ میں اتر جاتیں۔ لاشیں سمندر
کی سطح پر تیرتیں، مچھلیاں پانی سے اپنے سر نکالتیں۔ گوشت کے مزے لیتیں
اور خون چاٹ کر خوش ہوتیں۔

جوں جوں لڑائی میں تیزی آتی، مجاہدوں کے دلوں کی گرمی دھڑکن بنتی جاتی
وہ سمندر کی موجوں سے بے خطر ہو کر لڑتے، رومیوں کو قتل کرتے، کشتیاں الٹتے
اپنے قبضے کی حدود کو بڑھاتے، نعرے لگاتے، خدا کی نصرت کے گیت گاتے،

تھے۔ سمندر نے یہ جانفزا نعرے کب سنے تھے۔ اسے تو صرف ناقوس کی آواز سے پیار تھا۔ جب ناقوس ٹوٹ ٹوٹ کر سمندر میں گرے۔ تو لہروں نے کہا۔ حق بہ حقدار رسید" سمندر کا مال تھا سمندر ہی کو مل گیا۔

غرض رومیوں کی لاشوں سے سمندر کی سطح پٹ گئی۔ ان کے لہو سے پانی سُرخ ہو گیا۔ نیلا سمندر، سُرخ سمندر بن گیا۔ رومی بیڑے نے شکست کھائی دم دبا کر بھاگا۔ قسطنطین ایک کشتی میں بیٹھا، جان بچائی، بھاگا اور قسطنطنیہ کی راہ لی۔

قبرص پر مجاہدوں نے قبضہ کر لیا۔ حضرت امیر معاویہ رضؓ بھی ایک بیڑہ فوج کے ساتھ قبرص پہنچ گئے۔ سب نے مل کر خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ سب کچھ اسی کی نصرت سے ہوا۔

قبرص فتح ہوا تو مجاہدوں نے قریبی جزیرہ رودس پر حملہ کر دیا۔ یہاں بھی رومی فوج مقیم تھی۔ خوب جم کر لڑی۔ مگر مجاہدوں کے عقابی حملوں نے ان کی کمر توڑ دی اور وہ اطاعت پر مجبور ہو گئے۔

رودس میں ایک پیتل کا بت تھا۔ جسے یہاں کے لوگ اپنا محافظ سمجھتے تھے۔ یہ بت اتنا بڑا تھا کہ اس کی ایک ٹانگ ساحل پر اور دوسری قریبی ٹاپو پر تھی۔ دونوں ٹانگوں کے درمیان اتنی چوڑی آبنائے تھی کہ اس میں سے جہاز گزر سکتے تھے، اس بت کی اونچائی ۱۰۵ فٹ تھی۔

حضرت امیر معاویہؓ نے اس بُت کو توڑا اور اس کے ٹکڑے اسکندریہ بھیج دیئے۔ جہاں ایک یہودی نے اس پیتل کو ۳۶۰۰۰ پونڈ میں خرید لیا۔

اس فتح سے رومیوں کو معلوم ہو گیا۔ کہ مسلمان میدان کے شیر و پلنگ ہی نہیں، سمندر کے نہنگ بھی ہیں۔ سمندر میں دور دور تک بہت اثر اس سے متاثر ہوئے اور قسطنطنیہ اور دوسرے سمندر پار ممالک پر لشکر کشی کا دروازہ کھل گیا۔

جنگ مستول (۲۸ھ)

قسطنطین بحری شکست سے بہت تلملایا۔ اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ مجاہد اس سے خشکی کی طرح سمندر کی قیادت بھی چھین رہے تھے۔ وہ مضطرب تھا، پریشان تھا، اپنے زوال پر حیران تھا، خشکی پر قسمت آزمائی کی، قسمت نے ساتھ نہ دیا۔ سمندر پر سے چڑھائی، بخت نے بے وفائی کی۔

مجاہدوں کے لیے سمندر کا راستہ کھل چکا تھا، وہ سطح بحر پر دندنا رہے تھے۔ سمندر کو پایاب بنا رہے تھے، ان کی کشتیاں سمندر کی سطح پر اس طرح تیرتی پھرتی تھیں۔ گویا وہ راج ہنس ہیں اور سمندر میں تیرنے، موجوں سے کھیلنے کا حق صرف انھیں کو حاصل ہے۔ رومی بطخیں اپنے دڑبوں میں چھپ چکی تھیں۔ اگر کبھی کوئی سر نکالتی تو فوراً دبک کر آنکھیں بند کر لیتی۔

بحری شکست کا غم، سلطنت چھن جانے کا الم، قسطنطین کو کسی پہلو چین نہ لینے دیتا، وہ راتوں کو جاگتا، منصوبے بناتا اور پھر خود ہی انھیں چھوڑ دیتا۔ تدبیر کی رسّی توڑ دیتا، بے کلی بڑھتی تو مسیح و مریم کے بت کے سامنے جا گڑ گڑاتا، روتا گھگھیاتا، آہیں بھرتا، مگر خاموش اور بے جان بت اپنی خاموشی نہ توڑتے۔

آخر قیصر روم نے آخری منصوبے کو اپنایا۔ نیا بحری بیڑا بنوایا جس میں سینکڑوں کشتیاں تھیں۔ یہ جنگی کشتیاں سطح آب پہ آئیں، مستولوں کی کثرت کا یہ عالم تھا۔ گویا سمندر میں بے شمار، ستون گاڑ دیے ہیں اور ہر کشتی اپنے مستول کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ مستولوں کی اسی کثرت کے باعث اس جنگ کا نام جنگ مستول قرار پایا

مجاہدوں نے یہ حال دیکھا تو اپنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم کیا کہ قیصر کا ارادہ کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں کو سمندر سے نکالنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور یہ بہت بڑی کشتیوں کی تعداد اسی لیے سمندر میں اتاری گئی ہے۔

یہ سن کر مجاہد مسکرائے، اپنی کشتیوں کو بڑھایا اور رومیوں کی طرف بڑھے۔ اگرچہ اسلامی کشتیاں تعداد میں کم تھیں۔ مگر اس کے باوجود اہل کشتی کے حوصلے بلند تھے۔ وہ مسرور و خرسند تھے کہ رومیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع میسر ہوا۔ شہید اور غازی بننے کا وقت قریب آیا۔ امیر البحر نے مجاہدوں سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"مجاہدو! یہ سمندر ہے خشکی نہیں۔ دیکھو نیچے پانی ہے اور اوپر آسمان۔ سمندر کے پانی کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ بہت گہرا ہے۔ اسے دوست دشمن کی تمیز نہیں۔ سنبھل کر بڑھو۔ دشمن سمندر کا شیر ہے اس کے جبڑے چیر کر رکھ دو۔ اس کی زبان نکال دو۔ عرب کی بہادری دکھاؤ، اسلام کی محبت و عظمت کے گیت گاؤ۔ یاد رکھو مقابلہ

کرتے ہوئے بھی خدا کو نہ بھولو۔ اس سے مدد و نصرت کی دعائیں کرتے رہو۔ وہی ہم سب کا حامی و ناصر ہے۔"

مجاہدوں نے نعرۂ تکبیر لگایا۔ سمندر کی موجوں کو اپنا پیغام سنایا۔ رومیوں نے ناقوس بجایا اپنی فوج کو بتایا۔ کہ مستعد ہو کر بڑھے۔ موجوں کی طرح چڑھے اور ریگستان کے باسیوں سے سمندر کی حکومت چھین لے۔

ادھر مجاہد سمندر کے سینے پر سوار، دشمنوں کے سینوں میں خنجر اتارنے کے لیے بڑھے۔ ادھر سے قیصر روم کا بحری بیڑا آن پہنچا۔ سمندر میدان جنگ بن گیا۔ کشتیاں ایک دوسری سے ٹکرائیں۔ موجیں اٹھیں، کشتیوں پر چڑھیں ہنگامہ کارزار بپا ہوا۔ ابتدا میں رومیوں نے کچھ کامیابی حاصل کی۔ مجاہدوں کو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے۔ مجاہد مایوس نہ ہوئے بلکہ عزم صمیم سے بڑھے، کشتیوں سے کشتیاں ٹکرائیں۔ مجاہد رومی کشتیوں کی تاک میں تھے انھوں نے اپنی کشتیوں کو چھوڑا، بازوں کی طرح دشمن کی کشتیوں پر جھپٹے، خنجر، تلواریں نیزے اٹھے، دشمن پر برسے، چھید امارا، کاٹا۔ سمندر میں پھینکا، نعرۂ تکبیر سے دشمن کو ہلایا، اپنا زور بازو دکھایا۔ رومی کشتیاں ایسی ڈوبیں کہ پھر نہ ابھریں رومی اس طرح کٹے کہ سطح آب ان کے لہو سے سرخ ہو گئی، جدھر نظر پڑتی ادھر یہی منظر نظر آتا۔ لاشیں، کٹے ہوئے بازو، جسموں سے جدا سر، کشتیاں ڈوب رہی تھیں اور رومیوں کی لاشیں تیر رہی تھیں۔ ایسا بھیانک منظر اور دہشتناک نظارہ تھا کہ قسطنطین اسے دیکھ نہ سکا۔ گھبرایا۔ ڈرا۔ ملاحوں کو حکم دیا "ہمیں اس بلائے عظیم سے نکالو۔"

ملاحوں نے قسطنطین کی کشتی کو چلایا، بھاگے، اسے بھاگتا دیکھ کر رومی کشتیاں بھی بھاگ اٹھیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ رومیوں میں دوڑ ہو رہی ہے اور ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے بے قرار ہے۔ اس دوڑ نے بھی انھیں کچھ زیادہ فائدہ نہ پہنچایا۔ ان کی بہت سی کشتیاں ایک دوسری سے ٹکرائیں اور سمندر کی موجوں کی زد میں آئیں۔ بھنور بنتے اور کشتی سواروں سمیت پانی کی تہہ میں بیٹھ جاتی۔ غرض یہ ہزار خرابی بچے کھچے سپاہی اپنی کشتیوں میں قسطنطنیہ پہنچے۔ خود قیصر روم بھی قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ مگر مایوس تھکا تھکا، غمگین، اداس، اندوہگین، بجھا بجھا، مرا مرا، مجاہدوں نے ایسا رگیدا کہ جلد ہی سطح آب سے رومیوں کا نشان تک بے نشان ہو گیا اب مجاہد بحیرہ روم کی وسعتوں کے مالک تھے۔ انھوں نے خدائے تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور اس فتح کی ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔

جب حضرت خلیفہ سوم کو اس فتح مبین کی خبر پہنچی تو ان کا سر بارگاہ رب العزت میں ایسا جھکا کہ بہت دیر کے بعد اٹھا، اب ان کی پلکوں پر مسرت و تشکر کے آنسو موتیوں کی طرح ڈھلک رہے تھے۔

جنگ اصطخر (۲۹ھ)

مجوسیت اہل ایران کی روح و رواں بلکہ حیات رواں دواں تھی۔ شمشیر توحید نے انھیں مغلوب تو کر لیا۔ مگر اس غلبہ کے استحکام کے لیے ایک مدت کی ضرورت تھی۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث نے بصرہ، عمان، بحرین، خراساں فارس، کرمان۔ سجستان کے حکام کو تبدیل فرمایا اور نئے گورنر نامزد فرمائے۔ مجوسی سمجھے، قصر خلافت میں زلزلہ آیا، عرب نا اتفاقی کا شکار ہوئے۔ بغاوت کرو اور توحید کو نکال کر مجوسیت کو اپناؤ۔

مجوسی موقع کے منتظر تھے۔ متحد ہوئے، ہتھیار سنبھالے۔ بغاوت کا جھنڈا اٹھایا۔ مجوسیت کا نعرہ لگایا اور "ھل من مبارز" پکارا۔

اس بغاوت کے دو مرکز تھے، ایک اصطخر اور دوسرا جور۔ مجوسیت پسند ان پر دو مقامات میں بکثرت جمع ہوئے۔ ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا۔ جس میں سے ہر شخص نے آگ کی قسم کھائی اور وعدہ کیا کہ آگ کی تقدیس کے لیے جانیں لڑا دیں گے۔ مسلمانوں کو ایران سے بھگا دیں گے۔ عربوں کی بوٹیاں اڑا دیں گے"۔

فارس کے حاکم عبیداللہ بن معمر تھے۔ انھوں نے اصطخر کی بغاوت دبانے، باغیوں کو شمشیر توحید کا مزہ چکھانے اور سلگتا ہوا آتشکدہ بجھانے کے لیے چڑھائی کی۔ فتح کے دمامے بجاتے، توحید کا پرچم لہراتے، نعرۂ تکبیر لگاتے، باغیوں کو دباتے اصطخر پہنچ گئے۔

مجوسی لڑائی کے لیے تیار تھے۔ لڑائی ہوئی اور شمشیر قضا نے عبیداللہ بن معمر کا رشتہ حیات کاٹ دیا۔ ان کی شہادت سے مسلمان بے دل ہو گئے گھبرا کر بھاگے اور ایسے منتشر ہوئے کہ پھر جمع نہ ہو سکے۔ مجوسیوں نے اپنی فتح کا پھریرا لہرایا۔ آتشکدہ روشن کیا اور سجدہ میں گر کر آگ کی پرستش کی۔

عبداللہ بن عامر بصرہ، عمان اور بحرین کا حاکم تھا۔ اس نے یہ حادثہ فاجعہ سنا، فوراً فوج جمع کی اور اصطخر پر چڑھائی کر دی۔ اس کے مقدمۃ الجیش کے سالار عثمان بن العاص مقرر ہوئے۔

اصطخر پہنچے تو مجوسیوں کو جنگ کے لیے تیار پایا۔ فتح کے نشے ان کے دماغ کو پاگل بنا رہے تھے اور وہ اپنے پرچم اٹھائے۔ آگ کی تقدیس کے ترانے گا رہے تھے۔

عبداللہ بن عامر نے اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔ ہراول کو آگے بڑھایا۔ خود قلب میں جما، نعرۂ تکبیر گونجا، مجاہد بڑھے، طوفان کی مانند چڑھے، مجوسیوں کی رکاوٹیں توڑ دیں۔ گھمسان کا رن پڑا، خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اعضا کٹ کٹ کر گرے۔ سر تربوزوں کی طرح بکھرے۔ مجوسیوں کی دیوانگی، فرزانگی پر غالب تھی، مرتے تھے، کٹتے تھے۔ مگر پیچھے نہ ہٹتے تھے۔

عبداللہ بن عامر نے قلب کو حرکت دی۔ شیر کی طرح بڑھا۔ مجاہد بازوں کی طرح اڑے۔ مجوسی بھیڑیوں کا شکار ہونے لگا۔ ڈھیروں کے ڈھیر لگ گئے۔ میمنہ اور میسرہ کے مجاہدوں نے وہ تلوار چلائی۔ کہ موت بھی گھبرائی۔ مجوسی گھر گئے۔ مجاہدوں کی تلوار نے وہ کاٹ دکھایا کہ صفیں کی صفیں شمشیر کے گھاٹ اتار دیں۔

مجوسی بھاگے۔ مجاہد پیچھے اور وہ آگے۔ میدان جنگ گھڑ دوڑ کا میدان بن گیا۔ بے شمار کچلے گئے۔ ان گنت قتل ہوئے۔ لاشوں سے میدان پٹ گیا۔ خون سے لالہ زار کھل گیا۔ الامان الامان کا شور بلند ہوا۔ ہتھیار پھینکے، ہاتھ باندھے، گھٹنے ٹیکے۔ آیندہ کے لئے بغاوت سے توبہ کی۔

عبداللہ نے امان کا اعلان کیا۔ مجاہدوں کے ہاتھ رک گئے، تلواروں کے سر جھک گئے، جنگ کی گرمی گھٹی۔ امان کی ٹھنڈی ہوا چلی۔ اہل اصطخر کی جان میں جان آئی۔ مگر بغاوت کی سزا خوب پائی۔

۲۹
جنگ جورسہ

ہرم بن حیان اپنا لشکر لیے ہوئے جور پر بڑھے۔ مجوسیوں نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ لڑائی ہوتی رہی۔ مگر جب اصطخر کی شکست سنی۔ تو گھبرائے۔ شہر میں آئے اور دروازے بند کر لیے۔ فصیل شہر مضبوط تھی۔ سامان رسد بھی جمع تھا۔ محفوظ ہو کر بیٹھ گئے۔ فصیل پر بہادروں کو چڑھایا۔ انھیں کمک سے مضبوط بنایا۔ مجاہد فصیل کے قریب آتے تو پتھروں اور تیروں کی مار کھاتے، مجبور ہو کر پیچھے ہٹ جاتے۔ محاصرہ جاری رہا اور دن رات گزرتے گئے۔

ہرم بن حیان نہایت عابد و زاہد تھے۔ وہ دن کو روزہ رکھتے اور شام کو افطار کرتے۔ روزہ کھول کر نماز میں مصروف ہو جاتے۔ پچھلی رات اپنے سرداروں کو احکام دیتے اور صبح تک پھر عبادت میں لگ جاتے، دن بھر اپنی فوج کے ساتھ خود بھی لڑتے۔ مگر نہ روزہ چھوڑتے نہ لڑائی سے ہاتھ اٹھاتے۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ افطاری کے لیے کچھ نہ ملا۔ پانی سے روزہ افطار کیا۔ مغرب کی نماز ادا کی تو کھانا بھی نہ ملا۔ صبح سحری کے لیے بھی کچھ نہ پایا اور اسی حالت میں روزہ رکھ لیا۔ شام کو بھی کچھ کھانے کو نہ ملا۔

اسی طرح سات دن گزر گئے۔ ہفتہ بھر کی بھوک نے انھیں بہت نحیف کر دیا آخر انھوں نے اپنے خادم کو بلایا اور کہا "بیٹے! یہ کیا بات ہے کہ مجھے ہفتہ بھر سے کھانے کو کچھ نہیں دیتے ہو؟"

خادم نے جواب دیا۔ سردار! میں ہر روز آپ کے لیے روٹی پکا کر رکھ جاتا ہوں۔ حیرت ہے کہ آپ کو روٹی نہیں ملتی۔ ہرم نے کہا۔ ذرا نگرانی تو کرو۔ دیکھیں کون روٹی لے جاتا ہے؟

اگلے دن خادم نے روٹی پکائی اور دستر خوان میں لپیٹ کر کونے میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک کتا آیا۔ روٹی منہ میں دبائی اور شہر کی طرف چل دیا۔ خادم بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔

کتا روٹی اٹھائے چلا گیا۔ فصیل کے پاس پہنچا تو ایک بدررو کے ذریعے شہر کے اندر گھس گیا۔ خادم حیران کھڑا دیکھتا رہا۔ آخر واپس آیا اور ہرم بن حیان سے سارا ماجرا بیان کیا۔

ہرم نے اس واقعہ کو تائید غیبی سمجھا۔ چند من چلے مجاہد منتخب کئے۔ انھیں اپنے ساتھ لیا اور فصیل کی طرف چل پڑے۔ رات اندھیری تھی، ستاروں کی آنکھیں نیند سے مندھی جا رہی تھیں۔ چاند کہیں تعطیل منا رہا تھا فصیل کے محافظ نیند کی آغوش میں تھے۔ ہرم اپنے مجاہدوں کے ساتھ بدررو پہ آئے۔ پہلے خود بدررو میں گھسے۔ فصیل ختم ہوئی۔ شہر پہ نظر ڈالی، ہر طرف سناٹا تھا۔ خاموشی چپکے چپکے لوریاں گا رہی تھی۔ اندھیرا اپنی سیاہ چادریں ہر طرف پھیلائے ہوئے تھا۔ رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔

ہرمز واپس آئے۔ مجاہدوں کو ساتھ لیا۔ بدرر وعبور کی۔ دروازے کی طرف بڑھے۔ محافظوں کو سوتے پایا، تلوار اٹھائی اور انہیں ابدی نیند سلا دیا۔ دروازہ کھولا۔ فوج کا ایک دستہ تیار تھا۔ فی الفور اندر داخل ہو گیا اور دروازے پر قبضہ کر لیا۔ مجاہدوں کے دستے آتے گئے اور شہر کے دروازوں پر قبضہ جماتے گئے۔

دفعتہً نعرہ تکبیر گونجا سونے والوں کی آنکھیں کھلیں۔ تو مجاہد تلواریں لیئے ہنبرے علم کیئے ان کے سروں پر موجود تھے۔ جس نے مقابلہ کیا۔ وہ تلوار کے گھاٹ اترا۔ جس نے امان مانگی اسے امان دی گئی۔

مجوسیوں نے کچھ جمعیت اکٹھی کر لی اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ مگر مجاہدوں کی تلواروں نے بہت جلد ان کا صفایا کر دیا۔ اہل شہر کو امان دی گئی بغاوت کے سرغنے پکڑ پکڑ کر جہنم واصل کیئے گئے اور شہر پر مکمل قبضہ کر کے فصیل کو منہدم کر دیا گیا تاکہ آئندہ یہ فصیل باغیوں کی پشت پناہی نہ کر سکے

جنگ زور ۳۱ھ

عہد فاروقی مسلمانوں کے عروج اور اسلام کی سربلندی کا دور تھا۔ ایران ایسا وسیع وعریض ملک اپنے گوشوں اور جگر گوشوں سمیت مطیع ہو چکا تھا۔ عہد عثمانی آیا تو جہاں ایران کے بہت سے صوبجات نے بغاوت پر کمر باندھی۔ وہاں سیستان بھی پیچھے نہ رہا۔ بغاوت کی خبر عبداللہ بن عامر کو پہنچی تو اس نے ربیع بن زیاد حارثی کو حکم دیا کہ "سیستان پر بڑھو اور باغیوں کو مطیع کرو"۔ حکم کی دیر تھی۔ ربیع نے مجاہدوں کو ساتھ لیا اور سیستان میں داخل ہو گیا۔ ربیع باغیوں کو دباتا، تلوار کے ہاتھ دکھاتا بڑھتا چلا گیا۔ اس کے شہروں کو باغیوں سے پاک کیا۔ قیدیوں کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی مال غنیمت سے لشکر لد پھند گیا۔ مجبوراً واپس آیا۔

ربیع واپس آیا تو اہل زرنج نے پھر سر اٹھایا۔ عبداللہ بن عامر نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کو بڑھایا۔ اس نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ سفارتی جلسہ شروع ہوئے۔ آخر دو لاکھ درم سالانہ جزیہ پر فیصلہ ہو گیا۔

زور کا شہر بڑا تجارتی مرکز تھا اور یہاں دولت کے انبار تھے۔ قلعہ مضبوط

اور سامانِ جنگ وافر موجود تھا۔ حاکم قلعہ نے قلعہ بندی کر لی، مجاہد ہر روز قلعہ پر حملہ کرتے۔ اہلِ قلعہ پتھروں اور تیروں کا مینہ برساتے، مجاہد زخمی ہوتے۔ مگر شوقِ شہادت کا یہ عالم تھا کہ شہادت کے لیے دعائیں مانگتے، زخموں کی پروا نہ کرتے۔ اسلام کی سربلندی کے لیے جانیں لڑاتے۔ خدا اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے مار کھاتے۔ مگر بے دل نہ ہوتے۔ وہ دشمن کے دیئے ہوئے زخموں پر مسکراتے، پھولوں کی طرح ہنستے اور قہقہے لگاتے۔

عبدالرحمٰن نے قلعہ کے گرد گھیرا تنگ کیا۔ مگر فصیل قلعہ پار کرنا دشوار تھا۔ محاصرہ جاری تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ مشکل کس طرح حل کی جائے۔

شام ہوئی، مجاہدوں نے کمر کھولی۔ نماز ادا کی، کھانا کھایا۔ باتوں باتوں میں عشا کی نماز کا وقت آگیا۔ عبدالرحمٰن نے خود عشاء کی نماز پڑھائی۔ مجاہد تھکے ماندے سو گئے۔ پہرہ دار لشکر کے گرد گھومنے لگے۔ ان کی نگاہیں قلعہ کی طرف تھیں ہاتھ تلوار پر تھے اور زبانیں قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھیں۔

عبدالرحمٰن اپنے خیمے میں بیٹھا تھا۔ وہ دیر تک قلعہ فتح کرنے کی ترکیب سوچتا رہا۔ نیند کی پری آتی اور اپنی آغوشِ محبت وا کرتی۔ مگر مجاہد اسے ٹھوکر سے ہٹا دیتا۔

جب کوئی مؤثر تدبیر ذہن میں نہ آئی تو سجدہ میں گر پڑا اور قلعہ فتح کرنے کی دعائیں مانگنے لگا۔ اس کی یہ عاجزانہ دعا سنی گئی، در اجابت کھل گیا۔

مجھے حاضر ہونے کی اجازت دیجیے (ایک آواز آئی)

عبدالرحمٰن چونک پڑا۔ کون ہے؟

"ایک پہرہ دار!"

"کیوں آئے"؟

"ایک آدمی کو لے کر حاضر ہوا ہوں"!

"آجاؤ"!

پہرہ دار اندر آیا۔ السلام علیکم کی آواز گونجی۔

"وعلیکم السلام! یہ کون ہے؟ عبدالرحمٰن نے پوچھا

"یہ ایک جاسوس ہے۔ میں نے اسے بڑی مشکل سے گرفتار کیا ہے"!

عبدالرحمٰن جاسوس سے مخاطب ہو کر بولا "تو تم جاسوس ہو"؟

"جی حضور"! جاسوس نے جواب دیا۔

"اب تم ہماری قید میں ہو"!

"جناب"!

"کیا تم آزادی چاہتے ہو"؟

"اگر آپ آزاد کریں۔ تو شکر گزار ہوں گا"،

اگر تم قلعہ کے اندر جانے کا کوئی راستہ بتا دو تو ہم تمہیں آزاد کر دیں گے!

مگر آزادی کے ساتھ پناہ بھی مل جائے!

ضرور ملے گی۔ مسلمان قول دے کر مکرا نہیں کرتے۔ تم ہمیں وعدے کا سچا اور بات کا پکا پاؤ گے"!

"اگر اسی وقت قبضہ کرا دوں تو انعام کا مستحق بھی ہوں گا؟

"ضرور! ہم تمہیں گراں قدر انعام بھی دیں گے"!

"میرے ساتھ آئیے"!

"پہلے ہمیں اپنی سکیم بناؤ پھر چلیں گے"!

"شاید آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں"؟

"جو لوگ اطاعت کر کے بغاوت کر سکتے ہیں ان کے وعدے پر یقین نہیں کیا جا سکتا"!

"یہ بات ہے تو میں صدق دل سے اسلام لاتا ہوں"

"شاباش! اب تم ہمارے بھائی بن گئے ہو۔ چلو کہاں چلتے ہو"؟

عبدالرحمٰن نے دس مجاہدوں کو ساتھ لیا اور خاموشی سے نومسلم جاسوس کے ساتھ چل دئیے۔ قلعہ سے کچھ فاصلہ پر پہنچ کر رہنما رک گیا۔ گھنے درختوں کی طرف اشارہ کر کے بولا "یہ ہے سرنگ! جس کا کسی کو پتہ ہی نہیں"!

غرض نومسلم آگے آگے اور عبدالرحمٰن اس کے پیچھے پیچھے سرنگ میں داخل ہو گیا۔ واقعی سرنگ قلعہ کے اندر لے گئی۔ عبدالرحمٰن نے ایک سو مجاہد اپنے ساتھ لئے اور اپنے لشکر کو تیار رہنے کا حکم دے دیا کہ خاموشی سے قلعہ کے دروازے کے قریب پہنچ جائیں۔ جونہی نعرہ تکبیر سنیں۔ قلعہ میں گھس کر تیغ زنی شروع کر دیں"

اب رات بھیگ چکی تھی۔ دن بھر کے تھکے ہارے قلعہ دار نیند کی گود میں خراٹے لے رہے تھے۔ عبدالرحمٰن سرنگ کے راستے قلعہ میں داخل ہوا اور جلد ہی دروازہ پر آ پہنچا۔ محافظ گہری نیند میں سوئے پڑے تھے کسی نے آنکھ نہ کھولی۔ عبدالرحمٰن نے انھیں خاموشی سے ٹھکانے لگایا اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔

نعرہ تکبیر کی گونج رات کی خاموشی میں دور دور تک پہنچی۔ اسلامی لشکر نے تلواریں اٹھائیں اور نعرے لگاتا ہوا قلعہ میں داخل ہو گیا۔ سرنگ کے راستے بھی

کئی سو مجاہد قلعہ میں پہنچ گئے۔ ایرانیوں نے اپنے آپ کو نہتا اور سروں پر تلوار دل کا چمکتا دیکھا تو الاماں، الاماں کا شور مچادیا۔ قلعہ کا حاکم، ہاتھ باندھے سر جھکائے حاضر ہوا اور آئندہ کو بغاوت سے توبہ کی۔ عبدالرحمٰن نے نو مسلم کو طلب کیا۔ اس کا شکریہ ادا کیا اور ایک ہزار اشرفی انعام میں عطا کی۔

اس قلعہ میں ایک سونے کا بت تھا جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں۔ اس بت کا نام بھی زور تھا اور اسی کے نام پر شہر بھی زور کہلاتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اس بت کی دونوں آنکھیں تلوار کی نوک سے نکال لیں اور باقی بت حاکم قلعہ کو دے کر کہا "ہمیں سونے کی ضرورت نہیں۔ یہ بے جان بت نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان! بہتر ہے کہ بتوں کی بجائے خدائے واحد کی عبادت کرو"۔

زور سے آگے بڑھے تو غزنی اور کابل کے شہر تھے۔ عبدالرحمٰن نے انھیں فتح کیا۔ پھر زابلستان وغیرہ کی بغاوتیں فرو کیں اور اپنی گرمیٔ شمشیر سے سارے ایران میں ٹھنڈک پیدا کردی۔

جنگ مشعل ۳۲ھ

شام کی فتح کے بعد ترکستان سے کبھی کبھی سرحدی جھڑپ ہو جاتی تھی. مگر ترکوں کو شام پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا. ترکی کا بادشاہ قارن ان حالات سے پریشان تھا۔ جب وہ دیکھتا کہ مسلمان سیل بلا کی طرح شہر پر شہر اور ملک پر ملک فتح کئے جا رہے ہیں تو اس کی پریشانی خود بخود بڑھ جاتی اور اسے اپنی سلطنت و حکومت بھی خطرات کے نرغے میں دکھائی دیتی۔

وہ متفکر تھا، مغموم تھا. مگر اس نے حوصلہ نہ ہارا. چالیس ہزار کا لشکر جرّار تیار کیا۔ اسے ہر طرح کے سامان حرب سے لیس کیا اور موقع کی تاک میں رہنے لگا۔ یہ موقع بھی اسے جلد ہی مل گیا۔

عبداللہ بن عامر کا دبدبہ اور بہادری ضرب المثل تھی۔ ایرانی بغاوتوں کی اسی نے کمر توڑ دی تھی۔ وہ حج کو گیا تو قارن نے موقع غنیمت سمجھا۔ اپنے ٹڈی دل لشکر کو ساتھ لیا اور مسلمانوں کے مقبوضات روندنے لگا۔

عبدالرحمٰن بن ربیعہ مقابلے پر نکلا۔ بلنجر کے مقام پر دونوں فوجیں ملیں گھمسان کا رن پڑا۔ عبدالرحمٰن ساری فوج کی پشت و پناہ تھا۔ جہاں دشمن کا زور

دیکھتا۔ گھوڑا اڑاتا اور فوراً پہنچ جاتا۔ ایسا شیرانہ حملہ کرتا کہ دشمن کائی کی طرح چھنٹ جاتے۔

قارن نے اپنے ایک دستے کو حکم دیا کہ عبدالرحمٰن کو گھیر دو، پکڑ لو یا قتل کر دو۔ چنانچہ فوج لڑتی رہی اور یہ دستہ اس مرد غازی کے پیچھے لگ گیا عبدالرحمٰن سازش سے بے خبر اپنا کام کر رہا تھا۔ وہ شہباز بن کر جھپٹتا اور دشمن کے کئی کئی سپاہی تلوار کے گھاٹ اتار دیتا۔

لڑائی ترازو تھی۔ دونوں فوجیں اپنا خون پسینہ ایک کر رہی تھیں۔ زندگی اور موت کی سرحد پر لڑ رہی تھیں۔ فرشتہ اجل بھی عبدالرحمٰن کی لاجواب شجاعت کو نہ دیکھ سکا۔ دشمن کا دستہ خاص تو اس کی تاک میں تھا ہی، شیر گھر گیا۔ بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے۔ اڑ کر نکل جانا چاہا۔ مگر دشمن کی تلواروں اور نیزوں نے اُسے گھائل کر ہی ڈالا۔ سارا بدن زخموں سے چور تھا۔ لہو میں نہایا ہوا تھا۔ آخر دم تک لڑتا رہا۔ مگر خون اس قدر نکل چکا تھا کہ آخر گھوڑے سے گرا اور وہیں شہادت کی گود میں جا سویا۔

سردار کی شہادت اور ترکوں کے ترکانہ حملوں نے مسلمانوں کو فرار پر مجبور کر دیا جدھر کسی کا منہ اٹھا بھاگا۔ مسلمان نے فوراً علم اٹھایا۔ بھاگتے ہوئے ٹھہر گئے اور ٹھہرے ہوئے علم کو سربلند دیکھ کر شہادت کے لیے بڑھے۔ مسلمان نے لشکر کو پیچھے ہٹا لیا۔

یہ گویا مجاہدوں کی شکست تھی۔ قارن کا دل بڑھا اور وہ خراسان کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ قیس بن ہبیرہ سلمی خراسان کے والی تھے انھوں نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن حازم کو حکم دیا۔ کہ بڑھو اور اس شیر کی کچھار میں خود بخود آنے والے شکار کو دبوچ لو۔"

عبداللہ بن حازم نے چار ہزار مجاہد اپنے ساتھ لیے اور قارن کو روکنے اور اس جنگلی بھینسے کی دم مروڑنے کے لیے چل دئے۔ قریب پہنچے تو شام ہو چکی تھی۔ لشکر کو اتارا اور آرام کا حکم دیا۔ خیمے ڈیرے لگ گئے اور مجاہد گھوڑوں کو دانہ چڑھا، کمریں کھول، نماز کیلئے کھڑے ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہوے تو کھانا کھا کر لیٹ گئے

ابن حازم جنگی تراکیب پر غور کر رہا تھا۔ مسلمان جاسوس آئے اور بتایا کہ ہم تو صرف چار ہزار ہیں اور دشمن چالیس ہزار ہے اور سامان جنگ کی بھی کمی نہیں خود قارن بلا کا جنگجو اور جیالا ہے۔ ابن حازم سوچ میں پڑ گیا اپنے سرداروں کو بلایا اور بتایا کہ ہم صرف چار ہزار ہیں اور دشمن چالیس ہزار ہے مقابلہ ایک اور دس کا ہے تم میں سے ہر ایک اس مقابلہ کی جرأت رکھتا ہے؟

سرداروں نے جواب دیا۔ بہتر تھا کہ ہماری فوج کم از کم دس ہزار تو ہوتی کہ ایک ایک کو چار چار کا مقابلہ کرنا پڑتا۔ اگر وقت ہو تو اب بھی اس کمی کو پورا کر لینا چاہیے۔ ورنہ ہم تو دس کیا دس سو سے لڑنے کے لیے تیار ہیں۔

ابن حازم نے کہا۔" دیکھو اللہ میاں نے ہمیں ہمیشہ دشمن پر فتح دی ہے۔ کیونکہ ہم تو اسی کے سپاہی ہیں۔ اب جب کہ دشمن سامنے ہے۔ کمی کو پورا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب تک ہماری کمک آئے۔ دشمن ہمیں گھیر کر تباہ کر ڈالے گا۔ اگر ہم پیچھے ہٹیں تو یہ گویا ہماری شکست ہو گی۔ جو عرب کی شجاعت اور دلاوری پر برا حرف ہے۔ اب ہمیں اپنی اسی تعداد سے دشمن پر بڑھنا ہے۔ خدا کے بھروسے پر لڑنا ہے۔ وہ ضرور ہماری مدد کریگا"

سرداروں نے آمنا و صدقنا کہا۔ ابن حازم نے چھ سو جیالے سپاہی طلب کئے۔ جو آن واحد میں حاضر ہو گئے۔ انھیں حکم دیا کہ اپنے نیزوں کی نوکوں پر چیتھڑے

لپیٹ لو اور انھیں چربی اور تیل سے تر کرو۔

مجاہدوں نے بے چوں وچرا حکم مانا۔ ابن حازم نے انھیں اپنے ساتھ لیا اور دشمن کے کیمپ کی طرف چل دئیے۔ رات بھیگ چکی تھی۔ قارن فتح کے نشے میں چور تھا۔ اس نے لشکر سمیت خوب شراب پی۔ ناچ رنگ میں رات کا بہت سا حصہ گزارا اور پھر لشکر سمیت ایسا پڑ کر سویا کہ گویا اپنے محل میں بستر استراحت پر دراز ہے۔

جونہی مجاہد لشکر کے قریب پہنچے۔ ابن حازم نے حکم دیا کہ اپنی اپنی مشعلیں جلاؤ۔ چھ سو نیزے چھ سو مشعلیں بن گئے۔ جنگل میں منگل ہو گیا۔ اندھیری رات میں ایسا منظر کسی نے کہاں دیکھا تھا؟۔

مجاہدوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور تلواریں علم کئے دشمن پر جا پڑے۔ سوتے ہوئے ہڑبڑا کر اٹھے۔ مشعلیں جلتی اور تلواریں چمکتی دیکھیں۔ تو گھبرائے اوسان خطا ہو گئے۔ سمجھے کوئی خواب ہے۔ جنگلی چھلاووں کی برات ہے۔ مگر جب زخمیوں کی چیخ پکار کی آواز سنی اور بھگدڑ مچتی دیکھی۔ تو اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ بھاگے، ایک دوسرے پر گرے، زخمی ہوئے، کچلے گئے۔ سارا لشکر درہم برہم ہو گیا۔

مجاہدوں نے وہ تلوار چلائی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ لہو اتنا بہا کہ میدان میں پھسلن ہو گئی۔ بہت سے قتل ہوئے، بہت سے بھاگ نکلے، قارن مارا گیا اور اپنے بہادروں کے ساتھ جہنم کو سدھارا۔

مجاہدوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ مال غنیمت سمیٹا۔ لدے پھندے،

مال غنیمت سے گرانبار، ابن عامر نے چالیس ہزار اور چار ہزار کا معرکہ سنا تو ایسا خوش ہوا کہ ابن حازم کو خراسان کا مستقل حاکم بنادیا۔

جنگ قسطنطنیہ

حضرت امیر معاویہؓ اندرونی استحکامات سے فارغ ہوئے تو قیصر روم کی طرف توجہ کی۔ قیصر روم قسطنطنیہ میں مقیم تھا۔ سمندر کا کنارہ، آب و ہوا صحت بخش، دشمنوں سے بے خطر داد عیش و نشاط دینے لگا۔ وہ جب اپنے محل کے جھروکے سے سمندر پر نگاہ ڈالتا تو سمندر کی نیلگوں سطح اسے زمین پر آسمان دکھائی دیتی۔ سمندر کی لہریں اٹھ اٹھ کر ادھر ادھر چھا نکتیں تو اسے گمان ہوتا کہ یہ بھی اپنے شہنشاہ، ثریا جاہ کو سلام کرتی ہیں۔

قیصر کی افواج اکثر شام پر یلغار کرتی تھیں اور جب مسلمان مقابل ہوتے تو مار کھا کر پیچھے ہٹ جاتی تھیں۔ سمندر کی طرف سے بھی مصر و افریقہ پر رومیوں کے حملے کا خطرہ موجود تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے دو ہزار جنگی کشتیاں تیار کرائیں۔ بحری فوج الگ مقرر کی۔ سب انتظامات ہو چکے تو افواج اسلامیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

بہادرو! اسلام کے فرزندو! کیا تم بھول گئے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا۔ وہ مغفرت یافتہ ہے۔"

اپنے آقا و مولا کا فرمان گوش ہوش سے سن لو اور اسے اپنے دل کے صفحہ پر لکھ لو۔ مغفرت چاہتے ہو تو قیصر کے شہر پر حملہ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اسلام کے اس سب سے بڑے دشمن کو گھیر لو، اسلامی طاقت و شجاعت سے اسے حیران کر دو، ایسا سبق سکھاؤ کہ ساری عمر یاد رہے اور پھر کبھی اسلامی سرحدوں میں گستاخانہ قدم نہ رکھے۔"

مغفرت کا یہ صریح فرمان اور مخبر صادق حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان، کون یقین نہ کرتا، کون ایمان نہ لاتا۔ سب نے بہ یک زبان "نعرۂ تکبیر" سے استقبال کیا۔ بزرگ صحابہؓ نے اس جہاد میں حصہ لینے کے لیے بے قراری کا اظہار کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت امام حسینؓ ابن علیؓ، حضرت ایوبؓ انصاری وغیرہ کئی صحابہؓ نے لبیک کہا یزید بھی اس فوج کے ایک دستہ کا سالار تھا۔

حضرت امیرؓ نے اس لشکر کی سپہ سالاری پر حضرت سفیانؓ بن عوف کو مامور فرمایا کشتیاں تیار تھیں۔ فوج کشتیوں میں بیٹھی، بادبان کھول دیئے گئے۔ سمندر کی سطح پر سکون ہو گئی، موجیں جو ہر وقت ایک دوسری سے دست و گریبان رہتی تھیں۔ شدت ادب سے خاموش ہو گئیں۔ مچھلیاں ایک طرف دبک گئیں اور نہنگ ادھر ادھر سرک گئے

مغفرت الٰہی کا جویا لشکر، سمندر کے سینے پر بیٹھا جا رہا تھا، پانی سے ڈرنے

والے سمندر کی چھاتی پر سوار تھے خدا کا نام وردِ زبان تھا۔ نصرت کی دعائیں کی جا رہی تھیں۔

کشتیاں چلتی گئیں، مجاہد اپنے مقصد سے قریب تر ہوتے گئے۔ منزل نزدیک آنے لگی، شوقِ شہادت و مغفرت میں اضافہ ہونے لگا۔ دل سینوں میں تڑپنے لگے، بازوؤں میں طاقت بل کھانے لگی، بے قراری بڑھی، اضطراب میں اضافہ ہوا، قیصر کا شہر دکھائی دینے لگا۔ بہشت کی پر لطف ہوا کے جھونکے آنے لگے، طبیعت سرشار ہو گئی، دل سدا بہار ہو گئے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے ایک فوج خشکی کے راستے سے بھیج دی۔ جو چلتی، ٹھہرتی، قیصر کے شہر کی طرف بڑھی جا رہی تھی۔ یہ فوج شام کی سرحد عبور کر کے رومی علاقہ میں داخل ہو گئی اور اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگی۔

رومیوں نے سمندر کی سطح کو متحرک پایا۔ بڑی بڑی مچھلیوں اور نہنگوں کی غرمستی کا خیال آیا۔ غور سے دیکھا۔ تو عربی کشتیاں تھیں۔ گھبرائے، اپنی کشتیوں کو حکم دیا "ہوشیار ہو جاؤ، دشمن آرہا ہے۔ شیر کے کچھار میں خود شکار آرہا ہے۔ جانے نہ پائے۔"

رومی کشتیاں تیار تو تھیں ہی۔ انھوں نے ساحلِ بحر کو چھوڑا، سمندر میں بڑھیں، لہروں سے لڑیں اور اسلامی کشتیوں سے آن بھڑیں۔ سمندر میں طوفان بپا ہوا۔ کشتیاں آگے پیچھے، دائیں، بائیں بڑھتیں، ہٹتیں، پھیلتیں دوڑتیں، سمندر کی سطح گھڑ دوڑ کا میدان بن گئی۔ بہادروں کے نیزے، خنجر تلواریں چمکتیں، لہریں اٹھ اٹھ کر تکتیں اور مرحبا کے زمزمے گاتیں۔

ادھر سمندر میں یہ قیامت برپا تھی۔ ادھر اسلامی لشکر نے خشکی سے حملہ کر دیا۔ رومی دونوں طرف سے گھر گئے، نعرۂ تکبیر خشکی سے اٹھا اور سمندر میں جا بیٹھا، مجاہدوں نے اس زور سے نعرہ مارا کہ خشکی کی افواج کے کانوں سے جا ٹکرایا، ناقوس کی آواز دب گئی، پادری صلیبیں بھول گئے۔

رومی کشتیاں الٹنے لگیں، سپاہی سمندر کی نذر ہونے لگے۔ اللہ اکبر کے نعرہ میں یہ زور، یہ طاقت، یہ دبدبہ، اللہ اکبر! رومی کشتیاں ڈوبتی، ترتی۔ بھاگتی، اپنا آپ بچاتی پیچھے ہٹتی گئیں۔ شہر کی فصیل کے قریب ساحل کے ساتھ جم گئیں۔ جب مجاہدوں نے ساحل پر بھی حملہ کر دیا۔ تو بہت سی ڈوب گئیں۔ جو سپاہی بچے وہ شہر کی طرف بھاگے، شہر کے دروازے بند ہو گئے۔ فصیل پر جا بیٹھے، پتھر، تیر، جو کچھ ملا مسلمانوں پر برسانے لگے۔

شہر محصور ہو گیا، اسلامی لشکر مجبور ہو گیا، کیسے لڑے، کس سے لڑے دشمن اندر، یہ باہر، فصیل مضبوط اور بلند، رومیوں اور مجاہدوں کے درمیان صرف ایک دیوار کا پردہ، یہ رومیوں کی زد میں وہ محفوظ دبے گزند۔ سردی کا موسم، شدت کی ٹھنڈ، ہاتھ پاؤں سکڑے جا رہے تھے۔

مجاہد پیر دوڑ بڑھتے، مگر فصیل تک نہ پہنچ سکتے۔ اسی بڑھنے، ہٹنے میں بہت سے بزرگ صحابہؓ کرام آغوش شہادت کی زینت بن گئے حضرت ایوب انصاریؓ بھی اسی محاصرہ میں فوت ہوئے۔

مجاہدوں کے جوش ایمانی کی یہ کیفیت تھی کہ نزع کا وقت تھا، فرشتہ اجل سر پر موجود تھا۔ زندگی کا رشتہ کٹ رہا تھا۔ ان سے پوچھا گیا، وصیت

تب کہئے ۔ فرمایا :۔

"میرا جنازہ اٹھاؤ تو دشمن کے ملک میں دور تک لے جاؤ۔ جہاں اپنے قدموں کو بند پاؤ ۔ مجھے وہیں دفناؤ"

چنانچہ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھا، مسلمان جنازہ اٹھائے بڑھتے گئے۔ شہر کی فصیل نے راستہ نہ دیا تو حضرت رضی اللہ عنہ کو فصیل کے ساتھ قبر کھود کر دفن کر دیا۔

رومی دیکھتے رہے۔ مگر مزاحم نہ ہوئے۔ جب یہ کام مکمل ہو گیا تو واپس لوٹے، بیکار حملوں سے بیزار تو تھے ہی۔ سردی کی شدت نے مجبور کر دیا کہ واپس لوٹیں اور پھر کسی وقت قسطنطنیہ کو اپنا نشانہ بنائیں۔

اسلامی فوجیں دونوں طرف سے پیچھے ہٹیں اور واپس چل دیں رومیوں نے اسی میں خیر سمجھی۔ شہر سے باہر نہ نکلے اور نہ تعاقب کیا۔ جب انھیں پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ اب مجاہد جا چکے ہیں تو شہر کے دروازے کھولے اور گرجوں کی گھنٹیاں بجانے لگے۔

اُنسؔ

جنگ ساحل ۹۲ھ

شعبان کی ستائیسویں تھی، رات اپنے سیاہ پر پھیلاتی آئی۔ دائیں، بائیں آگے، پیچھے، اوپر، نیچے، ہر طرف اندھیرے کے گہرے بادل چھا گئے۔ خشکی اور تری یکساں اس کی لپیٹ میں آ گئے، اندھیرا، اپنی سیاہیاں پھیلانے میں مصروف تھا۔ آسمان نے ستاروں کے چراغ جلا رکھے تھے۔ سمندر کے سیاہ پانی میں ایک آسمان چھپا چھپا دکھائی دیتا تھا۔ اس میں بھی آسمانی ستارے چمک رہے تھے۔ جن کی آنکھیں رات کے افسون و سحر سے ادھ کھلی تھیں، وہ سو جانا چاہتے تھے۔......... مگر انھیں سو جانے کی اجازت نہ تھی۔ وہ آنکھیں بند بھی کرتے تو "جاگتے رہو" کی آواز انھیں چونکا دیتی۔ وہ آنکھیں کھولتے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے کہ ہم بیدار ہیں۔ ٹھیکری پہرے کے لیے تیار ہیں۔ جاگتے رہے ہیں، جاگ رہے ہیں، جاگتے رہیں گے۔

رات کا سحر تھا یا فسون کہ سمندر، پر سکون تھا، سرکش لہریں سو چکی تھیں کھلنڈری موجیں رات کے حسین خوابوں میں کھو چکی تھیں۔ مچھلیاں پانی کے

آغوش میں مست خمار اور نہنگ ریتے پر نیند میں سرشار تھے، جبل طارق تاریکی کا برقعہ اوڑھے محو انتظار تھی۔ گویا کوئی نئی نویلی دلھن اپنے شوہر کی منتظر تھی۔

یکایک پانی میں حرکت ہوئی، سوئی ہوئی لہریں جاگ اٹھیں۔ موجیں ایک دوسری سے گلے ملنے کے لیئے بھاگ اٹھیں۔ زندگی، حرکت سے ہم آغوش تھی۔ افریقہ سے اسلامی فوجیں جہازوں میں آرہی تھیں۔ جبل الطارق پر زندگی اپنے ہنگاموں سمیت نازل ہوئی، اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے۔ باتوں کی آوازیں آنے لگیں۔ گھوڑے ہنہنائے، نیزوں کے علم لہرائے، مجاہدوں نے جمادات میں حیات پیدا کر دی

سات ہزار بربری اور تین سو عرب۔ کل سات ہزار تین سو مجاہد، خدائے واحد کے پرستار، رسول عربیؐ کے خدمت گزار، اسلام کے جاں نثار، پیغام توحید پہنچانے، خدا کا نام پھیلانے، خشکی سے سمندر میں اور سمندر سے خشکی میں قدم جمانے آئے۔ طارق بن زیاد اس فوج ظفر موج کا سردار تھا۔ جسے اسلام نے غلامی سے آزادی عطا کی تھی۔ پستی سے بلندی پر پہنچایا تھا۔ بادشاہوں اور شہزادوں کا ہم رتبہ بنایا تھا۔

رات ہنگامہ شجاعانہ میں گزری، مشرق سے عروس صبح نے انگڑائی لی۔ حسن کی ایک تنویر پھوٹی، اندھیرا گھبرایا، اس نے اپنا بستر اٹھایا، سمندر میں غوطہ لگایا اور پاتال کی خبر لایا، اذان کی آواز سے سمندر کی آنکھ کھل گئی۔ مجاہدوں نے وضو کیا، نماز پڑھی اور خدا کے حضور دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے!

"واحد و یکتا، ازل و ابد کے مالک! زمین و آسمان کے خالق!
تیرے حبیب کے سرفروش، اس نئی دنیا، اس نئے ملک میں کفن
بدوش، تیرا پیغام پہنچانے، تیرا نام پھیلانے، ظلم و ستم مٹانے،
توحید کا چراغ جلانے آئے ہیں۔ کم ہیں، کمزور ہیں، تو ہمیں طاقت
دے، ہمارے بازو قوی کر، ہمیں اپنے مقصد میں کامراں کر، ہمارے
دلوں کو مضبوط بنا، ہمارے حوصلہ کو بڑھا، شہادت عطا کر یا
غازی بنا۔ شکست و فرار کی مصیبت سے بچا، ہمارا حامی و
ناصر اور اسلام کا معین و مددگار ہو۔"

جہاز چلے، فتح کے پھریرے اڑے، نعرۂ تکبیر گونجا، سینوں میں ولولوں
نے اور دلوں میں حوصلہ و جرأت نے انگڑائی لی، بازوؤں میں قوت
سرسرائی، ساحل اندلس پر پہنچے ۔ جہاز کنارے سے لگے۔ مجاہد
چھلانگیں لگاتے، تکبیر کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھاتے، اسلامی
علم لہراتے، ساحل پر آ رہے اور اس زور سے اللہ اکبر کہا کہ دشت و جبل
گونج اٹھے۔

اُندلس کا سرحدی گورنر تدمیر بے خبر نہ تھا۔ وہ اپنی پوری فوج کے ساتھ
ان نئے مہمانوں کے استقبال کے لیے چشم براہ تھا۔ اس کی تلواریں منتظر تھیں
کہ مجاہدوں کے خون سے اپنی پیاس بجھائیں۔ اس کی فوجیں ناقوس بجاتی،
ناچتی گاتی، شور مچاتی، تلواریں چمکاتی، نیزے ہلاتی بڑھیں۔ چند ہزار بدیسی
حقیر سی تعداد کو دیکھا۔ تو حوصلہ بڑھا، جرأت مسکرائی، غرور کے نشے سے

سر مخمور ہو گئے۔

طارق نے مقابلہ پر ایک بڑا لشکر دیکھا۔ ہمت کے گھوڑے کو ایڑ لگائی جرأت کے سمند کی باگ اٹھائی، اپنے جہازوں کو آگ لگائی، شعلے بلند ہوئے اپنے لشکریوں سے مخاطب ہوا اور کہا۔

"مجاہدو! اسلام کے بیٹو! یہ اندلس ہے۔ ہمارا ملک دور ہے۔ آگے دشمن اور پیچھے بحر بے پایاں ہے۔ جہاز جل چکے ہیں واپس جانے کا خیال مٹ چکا ہے۔ اب تخت ہے یا تختہ اگر تم نے حوصلہ مندی سے کام لیا۔ تو خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہو گی۔ مرنے والے عروس شہادت سے ہمکنار ہوں گے اور جینے والے غازی۔ اگر ذرا سی بھی بزدلی دکھاؤ گے تو اس پردیس میں کتوں کی موت مرو گے۔

دشمن کی کثرت سے مت ڈرو۔ خدا نے ہمیشہ تھوڑے مسلمانوں کو زیادہ دشمنوں پر فتح عطا کی ہے۔ یاد رکھو ہم خدا کے ہیں۔ خدا ہمارا ہے۔ خدا کی زمین ہماری زمین ہے۔ خدا ہماری مدد کرے گا اور تاریخ ہماری شجاعت کی داستانیں دہراتی رہے گی"

مجاہدوں نے نعرۂ تکبیر سے لبیک کہا۔ ساحل پر قدم جمائے صفیں درست کیں، دشمن سے دوچار ہوئے، تلواریں اچھل اچھل کر میانوں سے نکلیں، نیزے تن گئے۔ ڈھالیں پشت سے ہاتھوں پر آگئیں۔ نعرۂ تکبیر گونجا۔ دل جوش سے بھر گئے۔ بازوؤں میں زور مچلنے لگا۔ اگلی صف نیزے

تان کر تیار ہو گئی۔

تدمیر بے تدبیر نے لشکر کو بڑھایا، اکسایا، حملہ کے لیے نقارہ بجایا، اپنے لشکر کا دل بڑھایا۔ اندلسی اچھلتے، کودتے، یا مسیح! کے نعرے لگاتے، مجاہدوں پر پل پڑے، بے خطر ہو کر آئے، اسلامی چٹان سے ٹکرائے، نیزوں کا شکار ہوئے، خوب زخم کھائے، پہلی صف نیزوں سے چھد گئی۔ دوسری صف آگے بڑھی۔ وہ بھی نیزہ بازوں کا شکار ہوئی۔

تیسری صف ٹھٹکی۔ مردہ ساتھیوں پر سے گزریں تو حملہ کریں۔ کچھ ڈرے، کچھ گھبرائے، آگے بڑھنے سے کترائے، تدمیر نے پکار کر کہا:۔

"بہادرو! یہ چند ہزار، تم بے شمار، تم زیادہ یہ کم، بڑھو، مل کر مار لو، ہاں میرے شہبازو! چند چڑیاں تمھارے روبرو کھڑی ہیں۔ انھیں شکار کرو۔ ایک کو بھی واپس نہ جانے دو۔ اندلس کی شجاعت کا سکہ ان کی پیٹھ پر نقش کر دو۔"

تدمیر نے اپنے لشکر کو پھیلایا، دائیں بائیں بڑھایا، مجاہدوں کو گھیرے میں لینا چاہا۔ ادھر میمنہ میسرہ پھیلا، ادھر طارق نے قلب پر حملہ کر دیا۔

یہ حملہ اس شدت کا تھا کہ قلب کو دبنا اور پیچھے ہٹنا پڑا۔ تدمیر میمنہ کو پھیلا رہا تھا۔ قلب کی شکست کی خبر سنی تو ادھر دوڑا۔ اس عرصہ میں تدمیر کی فوج دو حصوں میں بٹ چکی تھی۔ اس کے قلب پر مجاہد قابض تھے۔ داد شجاعت دی جا رہی تھی۔ اندلسی کٹ رہے تھے۔ قلب بے نام و نشان ہو کر میدان کارزار بن چکا تھا۔ وہ گھبرایا، میسرہ کی طرف جانا چاہا، مجاہد درمیان میں حائل تھے

طارق نے اپنا دستہ ساتھ لیا اور میمنہ پر اس شدت کا حملہ کیا کہ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ کشتوں کے پشتے سج گئے، خون کی ندیاں بہ گئیں۔ تدمیر نے بھاگ جانا چاہا۔ مگر طارق جیسا عقاب اسے کب بھاگنے دیتا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اللہ اکبر کہہ کر ایسی تلوار ماری کہ تدمیر کا سر کٹ کر دور جا گرا۔ مجاہدوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ میمنہ کے باقی ماندہ سپاہیوں کو تلوار کا پابند کیا۔ کچھ مرے، کچھ کٹے، کچھ کچلے گئے، کچھ بھاگے۔ پورا میمنہ تباہ ہو گیا۔ میسرہ نے یہ حقیقت سنی تو دل بجھ گئے، امیدیں ختم ہو گئیں۔ بھاگے مجاہدوں نے تعاقب کیا۔ شہر پناہ تک بھگایا۔ کاٹا، چھیدا، مارا گرایا اور ایسا بھگایا کہ ادھر سورج غروب ہوا، اجالا سے میدان خالی ہوا۔ ادھر اندلسی لشکر سے میدان صاف ہو گیا۔ لاشیں بے بسی کا منہ دیکھتی رہ گئیں

جنگِ لاجندی ۹۲ھ

جنگ ساحل کا انجام معلوم ہوا تو راڈرک ٹھٹکا۔ بادشاہ سلامت کسی ہمسایہ پر حملہ کے لئے جا رہے تھے۔ ایک لاکھ کا لشکر جرار ساتھ تھا جو مرنے مارنے پر تیار تھا۔

راڈرک کو یقین نہ آتا تھا کہ صرف سات ہزار بربریوں نے تدمیر کے پورے لشکر کو روند ڈالا۔ مگر جب بچے کھچے، لہو میں لت پت زخمی پہنچے تو اس کو بڑا غصہ آیا اس نے پکار کر کہا:۔

"عربوں کی یہ جرأت! ہم معاف نہیں کر سکتے، ہم ایک ایک عرب کو چن چن کر ماریں گے۔ تدمیر کا بدلہ لیں گے، ان کے گستاخ ہاتھ کاٹ دیں گے، ان کی تلواریں توڑ دیں گے، انہیں سمندر میں ڈبو ڈبو کر اس طرح ماریں گے، جس طرح لوگ چوہوں کو ڈبو ڈبو کر ہلاک کرتے ہیں"

راڈرک نے اپنا لشکر وہیں سے لوٹایا اور ساحل کی طرف چلا۔ شاہی شان و شوکت اس کے جلو میں تھی۔ ڈھول بجتے تھے، نقارے پٹتے تھے، ناقوس

بجتے تھے۔ شراب کے خم ہمراہ تھے۔ بادشاہ سے سپاہی تک پیتے تھے، جھومتے تھے۔ پیمانوں کو چومتے تھے۔ حسینانِ اندلس ہمرکاب تھیں، جن کے سیلاب شباب میں بادشاہ اور امیر تک بہے جاتے تھے۔

راڈرک کی آہستہ خرامی بھی قابل داد تھی وہ راستہ میں ٹھہرتا، محفلیں سجاتا شراب کے جام لنڈھاتا، نشے میں جھومتا۔ بیس دن کے بعد شیذونہ پہنچا اور جھیل لاجندی کے کنارے اترا۔

شان شاہانہ میدان جنگ میں ہمرکاب تھی۔ وہ ہاتھی دانت کے تخت پر جلوس فرما تھا۔ اس تخت کا حاشیہ چاندی اور سونے سے بنایا گیا تھا۔ سر پر ایک مزین و مرصع چھتر تھا، جس میں بے شمار موتی اور ان گنت ہیرے جڑے تھے۔ بادشاہ کی گردن پر جواہرات کے ہار نثار تھے۔ امراؤ وزرا دربار میں آکر بیٹھتے تو چاند تاروں کا گمان ہوتا۔ امراؤ وزرا بھی موتیوں اور جواہرات سے منڈھے ہوئے تھے۔ تلواروں اور خنجروں کے قبضے موتیوں اور جواہرات سے مرصع تھے۔ گھوڑوں کی جھولیں اور زینیں تک موتیوں سے مالا مال تھیں۔ حتّٰے کہ گھوڑوں کے نعل بھی سونے چاندی سے سنہری اور روپہلی تھے، خیموں کی طنابیں ریشم سے بنائی گئی تھیں اور انھیں موتیوں سے سجایا گیا تھا

جس طرح بادشاہ کا خیمہ زندگی کے لوازمات سے بھرپور تھا۔ اسی طرح امراؤ وزرا کے خیمے بھی شراب و شاہد میں اپنی نظیر آپ تھے شام ہوتے ہی سارے لشکر میں چھن، چھنا، چھن کی آوازیں پھیل گئیں

ناچ گانا شروع ہو گیا۔ شراب و شاہد، مستی و حسن، شور و مستی عرض ناچ رنگ، ساز و آواز نے وہ رنگ باندھا۔ کہ شاید مجاہدوں کی فتح اور جنگ کا خیال ہی دلوں سے محو ہو چکا تھا۔

طارق بن زیاد بھی اپنے سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ جھیل کی دوسری طرف آن اترا ابھی ڈیرے، خیمے لگ رہے تھے، کہ نعرۂ تکبیر گونجا پلٹ کر دیکھا، تو پانچ ہزار مجاہد اسلحہ سے لیس تھے جو موسیٰ بن نصیر حاکم افریقہ نے طارق کی مدد کے لیے بھیجے تھے۔ یہ مجاہد بھی پہلے مجاہدوں میں شامل ہو گئے اور اب طارق بن زیاد کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔

راڈرک نے نعروں کی آواز سنی تو کہلا بھیجا۔ "تمہارے شور و غل سے ماہد و لت کے کان پھٹے جا رہے ہیں۔ چپ ہو جاؤ اور میدان خالی کر دو، ورنہ صبح تمھیں ہمیشہ کے لیئے خاموش کر دیا جائے گا۔"

طارق نے اس کے جواب میں بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا، جسے سارے لشکر نے سنا اور بارہ ہزار زبانوں نے بہ یک وقت یہی نعرہ دہرایا۔ جس سے میدان اور ارد گرد کی فضا گونج اٹھی اور میدان کی فضا پر نعرۂ تکبیر تڑپتا، پھیلتا اور بلند ہوتا دکھائی دیا۔

راڈرک کے لشکر نے اس کے جواب میں "مسیح کی جے" عیسائیت زندہ باد، حکومت اندلس پائندہ باد" کے نعرے لگائے رات کو تاریکی اندھیرے کے دھوئیں اڑاتی، اندھیرا پھیلاتی

آئی اور ہر طرف چھا گئی۔ سمندر خاموش، ساحل حیران، اندلس کے پہاڑ، دریا اور درخت چپ کی گود میں جا سوئے ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ ہوا کے جھونکے تیتر کے نشے میں چور، جھومتے، اونگھتے آتے اور دونوں لشکروں کے پاس سے گزر جاتے۔

راڈرک کے لشکر میں خیموں، ڈیروں نے میلوں تک زمین کو چھا لیا تھا۔ ساز بج رہے تھے، میٹھی میٹھی آوازیں کانوں میں رس گھول رہی تھیں۔ طبلے کی تھاپ پر حسینان اندلس کے پاؤں متحرک تھے۔ چھن چھنا چھن، چھن چھنا چھن تیز ہوئی جاتی تھی شراب ناب کے دور چل رہے تھے۔ نشے کے مرغولے بگولے بنتے جاتے تھے۔ رقاصائیں رقص میں محو تھیں اور شاہ و افسران کے حسن جہاں تاب سے اپنے آغوش کے اندھیروں کو اجالنے میں مصروف تھے۔

یہ منظر اتنا دلفریب اور اتنا بے شکیب تھا کہ آسمان کے ستارے اپنی برقی دوربینیں لگائے دیکھ رہے تھے، اندھیرے کو اپنی قندیلوں سے اجالنے کے لیے کوشاں تھے۔ مگر اندھیرا تھا کہ اس کے دل بادل بڑھتے ہی جاتے تھے۔

طارق کے سپاہیوں نے سر شام نمازیں ادا کیں، کھانا کھایا، گھوڑوں کو دانہ چڑھایا، باگ ڈوریں ہاتھ میں لیں اور اونگھتے، جاگتے، رات گزار دی۔

جونہی صبح نے انگڑائی لی اللہ اکبر کی آواز نے سب کو بیدار کر دیا مجاہد اٹھے، وضو کیا اور ہاتھ باندھے خدا کے حضور میں حاضر ہو گئے فتح و نصرت کی دعا مانگی اور میدان میں آ جمے۔

طارق بن زیاد نے اپنے لشکر کو مخاطب کر کے کہا۔

"خدا کے سپاہیو! اسلام کے مجاہدو! ایک عیاش اور ظالم قوم تمہارے سامنے ہے۔ جو صدیوں سے اس ملک کے عوام کو ظلم کی چکی میں پیس رہی ہے۔ ان کے خون اور عزت و آبرو سے کھیل رہی ہے اس کے کس بل نکالو۔ کثرت تعداد اور شراب شبانہ خراب کا نشہ ان کے سر سے اتار دو۔ تم اسلام کے جیالے فرزند ہو تم نے ہر میدان میں دشمن کی کثرت کو قلت میں بدلا ہے۔ دشمن کی کثرت نمائشی ہے۔ تمہاری تلوار اس نمائش کو حقیقت میں بدلنے کے لیے کافی ہے، صبر و استقلال اور یک جہتی سے اسلام کے راستے میں بڑھتے رہو، خدا کا نام بلند کرو، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم عام کرو، خدا سے فتح و نصرت کی دعا مانگو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔"

راڈرک نے تخت رواں پر لدے لدے لشکر کو بڑھایا غلاموں نے تخت اٹھایا۔ ڈھول بجے، نقارے بجے، نرسنگھے پھنکے، مجاہدوں کے سامنے ایک لاکھ کا لشکر آیا، ہیروں اور موتیوں

سے میدان جگمگا اٹھا، راڈرک نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا

"اندلس کے مایہ ناز فرزندو! اندلس کی عزت اور حرمت کے محافظو! آج تمھاری طاقت، تمھاری جرأت، تمھاری ہمت کا امتحان ہے۔ چند ہزار لٹیرے، قزاق، بھوکے ننگے تمھارے سامنے ہیں اور ابھی تک تمھاری مقدس زمین پر موجود ہیں۔ ایک ہی حملے میں انھیں کاٹ کر پھینک ڈال دو۔ تاکہ ان بدقسمتوں کا گوشت اندلس کی چیلیں کھائیں اور ہڈیاں کھاد کا کام دیں۔"

راڈرک کے یہ الفاظ ختم ہوتے ہی ایک لاکھ تلواریں اچھل اچھل کر میانوں سے نکل آئیں، نیزوں کی سنانیں کرنوں کی طرح چمکنے لگیں، تیر ترکشوں سے نکلے اور کمانوں کے سینوں سے آن لگے موٹے تازے گھوڑے ہنہنائے اور اپنے سواروں سے بھی آگے بڑھ جانے کے لیے بے چین ہو گئے۔

اندلسی فوج کو بڑھتے دیکھا، تو مجاہد بھی آگے بڑھے، ایک ساتھ پرے جمانے، ترتیب کی نگہبانی کرتے ہوئے، بے فکر، بے پروا، سب سے بے نیاز، خدا کے سوا، ایسے ہزاروں میدان ان کے گھوڑوں نے روندے تھے، ایسے کئی دشمن ان کی تلواروں سے ٹکرا کے ہو چکے تھے وہ دشمن کی سج دھج، کثرت تعداد، یلغار بے مہار، ہتھیاروں کی چمک، چاندی سونے کی دمک، کسی چیز

سے بھی مرعوب نہ ہوئے، اتنے میں طارق بن زیاد کی آواز گونجی،
"بڑھو، آگے بڑھو، اور بڑھو، بڑھتے جاؤ۔"

مجاہد اس آواز پر دیوانہ وار بڑھے، سیلاب بے تاب کی طرح چڑھے، دشمن کی چٹان سے ٹکرائے، تلواریں چلاتے، نیزے ہلاتے بڑھتے گئے، بارہ ہزار مجاہد ایک لاکھ دشمنوں میں ایسے گھسے کہ چاند بادلوں کی یلغار میں چھپ گیا۔ تکبیر کے پرجوش نعرے بتاتے کہ راڈرک کے لشکر کے جگر میں خنجر بھٹک رہا ہے۔ اندلسی کٹتے بڑھتے، ہٹتے، پلٹتے، حملہ پر حملہ کرتے، مگر مجاہد انھیں خاطر میں بھی نہ لاتے، ان کے بازو مشین کی طرح کام کرتے تھے، ان کی تلواریں دشمن کے پرخچے اڑاتی تھیں، ان کے نیزے دشمن کے سینے چھیدتے تھے، لہو بہ رہا تھا، زخمی کراہ رہے تھے خون کے دھارے بہ رہے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں کٹے پڑے تھے۔ مگر ایک لاکھ میں سے چند ہزار کا نقصان بے جان تھا۔ کوئی عظیم نقصان نہ تھا۔

آفتاب جہاں تاب صبح سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ چلتا رہا، سر پر آیا ڈھل گیا، اور مغرب کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں لشکر اسی طرح لڑ رہے تھے، خون اسی طرح بہ رہا تھا۔ گھوڑے میدان میں دوڑ رہے تھے تلواریں کاٹ رہی تھیں۔ ڈھالیں بچاؤ کرتی تھیں۔ مگر اب یہ حالت تھی، کہ کٹے ہوئے سر دیکھ کر میدان کارزار پر تربوزوں کے کھیت کا گمان ہوتا

تھا۔ وہ غبار بے شمار تھا۔ کہ گویا زمین کا پہلا طبقہ ہی اڑ کر آسمان پر پہنچ گیا تھا جس سے زمین سات کی بجائے چھ رہ گئی تھیں اور آسمان سات کی بجائے آٹھ ہو چکے تھے۔

یہ نظارہ ایسا نہ تھا۔ کہ کوئی دیکھے اور ڈر نہ جائے۔ آفتاب بھی اس منظر سے گھبرا گیا، آنکھوں میں دھول پڑ چکی تھی اور منہ پر میدان کارزار کا غبار جم رہا تھا۔

شام سیاہ رومال لئے ہوئے نکلی، سورج کو محل کے اندر دھکیلا، اور لڑائی کے میدان پر سیاہ پردے تن دیئے دونوں لشکر ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور اپنے اپنے کیمپ میں چلے گئے۔

آج کی سختی اور تھکاوٹ نے اندلسی لشکر پر سستی طاری کر دی۔ ناچ رنگ کی گنجائش ہی نہ تھی، لشکر نے کھانا کھایا، افسر راڈرک کے حضور حاضر ہوئے۔ اور سپاہی کمریں کھول کر سونے لگے۔ وہ سو گئے، نیند کی پیار بھری گود میں لیٹ گئے۔ مجاہدوں نے نمازیں پڑھیں، کھانا کھایا، گھوڑوں کو دانہ چڑھایا، اور سونے کی تیاری کرنے لگے۔ طارق نے اعلان کر دیا "کہ سب آرام سے سوئیں، بے فکر ہو کر لیٹیں، میں پہرہ پر رہوں گا"

مجاہدوں نے کہا "سردار! آپ بھی تو تھکے ہوئے ہیں آرام کیجئے باری باری پہرہ ہوتا رہے گا"

طارق نے کہا! "میرے بازو ابھی نہیں تھکے مجھے آرام کی ضرورت نہیں۔ تم سو جاؤ میرا فکر نہ کرو"

غرض سات دن تک جنگ کا یہی رخ رہا۔ نہ مجاہد بڑھنے دبتے۔ نہ اندلسی پیچھے ہٹنے کا نام لیتے۔ ہر روز ہزاروں کٹتے مگر ایک لاکھ کا لشکر ختم ہوتے بھی دیر لگتی ہے۔ اندلسی آہستہ آہستہ کم ہوتے جا رہے تھے۔ میدان جنگ میں جوں توں کر کے دن گزارتے، واپس کیمپ میں جاتے، تو شراب اور حسن سے ان کی دن بھر کی کوفت مٹ جاتی۔ اور پھر تازہ دم ہو جاتے آٹھویں دن طارق بن زیاد نے میدان میں لشکر کو سجایا۔ اور پکار کر کہا:۔

"بہادرو! آج جنگ کا آٹھواں دن ہے۔ اسے آج ختم ہو جانا چاہیئے۔ انشاءاللہ آج میں اسے ختم کر کے رہوں گا تم صبر و استقلال سے میرا ساتھ دیتے رہنا"

مجاہد پورے جوش کے ساتھ بڑھے۔ دشمن سے سخت ٹکرائے تلواریں تلواروں سے ٹکرائیں، چھنا چھن کی آواز آنے لگی، تکبیر کے نعروں نے میدان میں قیامت کا جوش بھر دیا۔ مجاہد مستانہ وار بڑھے، دیوانہ وار چڑھے۔ اندلسیوں کو دباتے، مارتے، کاٹتے، گراتے، منکاتے، بھگاتے بڑھنے لگے۔ طارق نے چلا کر نعرہ تکبیر اس زور سے مارا کہ فضا اللہ اکبر سے بھر گئی۔ وہ پھر للکارا:۔

"بڑھو، اسلام کے سپوتو، بڑھو، ہاں میرے بہادرو! بڑھتے جاؤ بڑھو، بڑھو، بڑھو"

ادھر مجاہد دیوانہ وار تلواریں چلاتے، خون کے دریا بہاتے، بڑھے۔

اُدھر طارق نے اپنا خاص دستہ ساتھ لیا۔ دشمن کی صفوں کو چیرتا، کاٹتا، مارتا گراتا، راستہ بناتا بڑھتا گیا۔ دشمن کا جو سپاہی راستے میں آتا۔ کٹتا یا کچلا جاتا، بچ کر نکل جانا محال تھا۔

اس برق رفتاری اور جی داری سے اندلسی گھبرائے، وہ پیچھے ہٹے اور ہٹتے ہی گئے، راستہ بنتا گیا، طارق بڑھتا گیا، راڈرک کے تخت کے قریب پہنچا، تو ایک زور کا نعرہ مارا۔ مجاہد مارتے، کاٹتے اسی رخ پر راستہ بناتے بڑھتے گئے۔

راڈرک اپنے تخت پر بیٹھا تھا، مرصع سائبان سر پر تنا تھا۔ شراب کا جام ہاتھ میں تھا۔ سرخ سرخ قطرے ہونٹوں سے ٹپک رہے تھے ساقیوں کا حسن اور شراب کی مستی نے اسے بے خود کر رکھا تھا۔

طارق نے راڈرک کے خاص دستہ کو اس طرح کاٹا کہ ایک بھی زندہ نہ چھوڑا، تخت کے گرد لاشیں بچھ گئیں، خون کے دھارے بہ نکلے، راڈرک نے بھاگ جانا چاہا۔ مگر طارق نے اسے اتنا موقع ہی نہ دیا۔ بڑھ کر نیزہ مارا، اور چھاتی چھید کر رکھ دی خون کا چشمہ اُبل پڑا، راڈرک کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی، تاج زریں سر سے گرا اور مجاہد کے پاؤں چومنے لگا۔

طارق نے راڈرک کا سر کاٹا، نیزے پر چڑھایا، تخت پر چڑھا، نیزہ بلند کیا۔ اور راڈرک کی موت کا اعلان کر دیا۔ جونہی اندلسی فوج نے راڈرک کی موت کی خبر سنی، اس نے لڑائی چھوڑی اور بھاگ کر جان بچا

سینے ہی میں عافیت سمجھی۔ ساٹھ ہزار مارے گئے، بیس ہزار قید ہوئے اور بیس ہزار گرتے پڑتے، بھاگتے دوڑتے اجانیں بچا کر لے گئے۔

اس لڑائی میں اس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا۔ کہ مجاہدوں کے کندھے بھاری ہو گئے۔ تلواریں، ڈھالیں، نیزے، کلہاڑے، تبر کمانیں، خنجر سامان رسد بے شمار تھا۔ اندلس کے خوبصورت اور موٹے تازے گھوڑے پا کر مجاہد بہت خوش ہوئے۔

میدان جنگ صاف ہوا، دشمن بے نام ونشان ہو گیا فتح وکامرانی نے مجاہدوں کے قدم چومے۔ تو مجاہدوں نے اللہ اکبر کے نعروں سے الٰہی نصرت کا اقرار کیا۔ سجدہ شکر ادا کیا۔ کہ اس نے آٹھ گنا زیادہ دشمن پر فتح بخشی۔

جنگِ قرمونہ

(۹۳ھ)

جنگ لاجنڈی کی فتح، راڈرک کا قتل اور شذونہ کے سقوط کی خبریں پھیلیں، بحرِ روم کی موجوں نے سنیں، ہوا کے سبک رو قاصد سمندر پار کر کے افریقہ پہنچے۔ فتح کا اعلان دہرایا۔ خوشی و مسرت کی لہریں سارے ملک میں پھیل گئیں۔ اللہ اکبر کے نعروں سے اس مژدہ جانفزا کا خیر مقدم ہوا۔ حوصلہ مند اور جرأت پسند افراد نے کمر ہمت باندھی۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں حاصل کیں اور جوق در جوق سمندر کی چھاتی پر سوار ہونے لگے۔

یہ وہی سمندر تھا، وہی اس کی اونچی اونچی لہریں تھیں، جن کا اضطراب پارے کو شرماتا تھا۔ اور جنھیں اہل افریقہ اپنا دیوتا سمجھتے تھے۔ سمندر کے ساحل پر ان کے ماتھے بارہا جھک چکے تھے۔ وہ اس کے مقدس پانی میں پاؤں رکھنا بے ادبی اور گستاخی خیال کرتے تھے وہ صرف اس دیوتا کی خوشنودی چاہتے تھے۔ اور بس۔

اسلام کی تعلیم نے ایسے تمام اوہام ان کے اذہان سے دور کر دئیے تھے اور اپنے آپ کو سمندر اور اس کی سرکش موجوں سے بلند مرتبہ خیال کرتے تھے

وہ دوسری ہزاروں قسم کی مخلوقات کے ساتھ اسے بھی خدا کی مخلوق سمجھتے تھے۔ جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنا رکھی تھی۔

تندونہ کی فتح سے اہل افریقہ کے دل بڑھے۔ وہ کشتیوں میں اندلس پہنچنے لگے۔ تاکہ اپنے مجاہد بھائیوں کا ہاتھ بٹائیں اور شہادت کا حصہ پائیں۔ غازی بنیں، اور اسلام کی دولت ملک بہ ملک پہنچائیں۔ جب وہ سنتے کہ طارق نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ایک لاکھ دشمنوں پر فتح پائی ہے۔ تو انھیں اپنی طاقت کا احساس ہوتا۔ اور وہ افسوس سے کہتے۔ کاش ہم بھی اپنے مجاہد بھائیوں کے دوش بدوش اسلام کا نام بلند کرنے میں حصہ لیتے!

طارق اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ تندونہ سے چلا۔ اور قرمونہ آپہنچا۔ اہل شہر نے حفاظت اور مقابلہ کا پورا سامان کر رکھا تھا۔ وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے مجاہدوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ جاری تھا۔ کہ افریقہ سے چلے ہوئے مجاہد آنے لگے۔ وہ کشتی سے اترتے ہی قرمونہ کی طرف چلے گئے۔ حتیٰ کہ چند ہی دن میں طارق کی فوج بارہ ہزار سے بڑھ کر پچاس ہزار ہو گئی۔

طارق نے اہل قرمونہ کو اسلام کی دعوت دی۔ جسے ٹھکرا دیا گیا لڑائی ٹھن گئی۔ اور کئی دن تک یہ مقابلہ جاری رہا، مجاہد شہر کے گرداگرد چھائے ہوئے تھے۔ اور اہل قرمونہ اندر دبکے بیٹھے تھے۔ شہر کی اونچی اور مضبوط فصیل دونوں کے درمیان حائل تھی۔

محاصرہ شدید اور تنگ تر ہوتا گیا۔ اہل شہر گھبرائے، شہر کے حاکم نے

اعلان کیا: "ہم مر جائیں گے۔ مگر افریقی وحشیوں کی غلامی قبول نہیں کریں گے"
وہ ڈٹے رہے، لڑتے اور مرتے رہے، شہر کے دروازے بند رہے، مجاہدوں کے لئے شہر کی فتح کا بظاہر کوئی سامان نہ تھا۔ انہوں نے خدا سے دعا کی۔ اور فتح کے لئے نصرت الٰہی کے طلبگار ہوئے۔

رات آئی، سورج کرنوں کا تاج پہنے مغرب میں پہنچا، اندھیرا اُجالے پر غالب آیا۔ چاند کی چھٹی تھی۔ تھوڑی دیر تک ستاروں نے آنکھ مچولی کھیلی۔ مگر جب گھنگھور گھٹا اٹھی۔ اور دیکھتے دیکھتے اندھیرا اور بھی گہرا ہونے لگا تو ستارے یہ منظر دیکھ کر گھبرائے اور گھٹا کے دامن میں چھپ گئے۔

ٹپ ٹپ بوندیاں برسنے لگیں۔ پھر موسلا دھار مینہ برسنے لگا، ہوا میں زور پیدا ہوتا گیا۔ اور بارش میں تیز ابور جھکڑ چلنے لگا۔

طارق کے جی میں جانے کیا آئی۔ اپنے خیمے میں ٹہلتے ہوئے اس نے ایک سردار کو آواز دی۔ سردار جاگ رہا تھا فوراً حاضر ہوا۔

حکم سردار!

"صرف ایک ہزار سوار"

"کہاں کا ارادہ ہے"

"پھر بتاؤں گا" طارق نے جواب دیا

پل بھر میں ایک ہزار سوار خیمے کے دروازے پر حاضر تھے۔

طارق نے ان سے مخاطب ہو کر کہا :۔
"شیر دل جوانو! ہم کئی روز سے شہر کے گرد پڑے ہیں۔ کیا
تم قرمونہ کی فتح میں میرا ساتھ دو گے"!
"ہم ساتھ ہی نہیں دیں گے، جانثاری کا مظاہرہ کریں گے
سردار! سواروں نے جواب دیا۔
"شاباش! مجاہدوں کی یہی نشان ہے"!
بارش تھم گئی۔ جھکڑ رک گیا۔ شہر کی فصیل کے پہرہ دار برجوں
ہی میں سو گئے۔ اب فصیل سنسان تھی۔ گویا بے انسان تھی، طارق نے
لمبی لمبی سیڑھیاں جوڑیں۔ انھیں اچھی طرح باندھ لیا۔ پھر سب سے
پہلے خود اوپر چڑھا۔ فصیل کا جائزہ لیا۔ مجاہدوں میں سے بیس فصیل
پر پہنچے۔ باقی دروازے کی گھات میں بیٹھ گئے۔ اور دروازہ کھلنے کا
انتظار کرنے لگے۔
طارق نے فصیل پر پہنچتے ہی تلوار نیام سے نکالی۔ اور حکم دیا۔ "کہ
چپ چاپ محافظوں کو ٹھکانے لگا دو"۔
مجاہدوں نے یہ کام اتنی صفائی اور سبکدستی سے انجام دیا۔ کہ کسی
ایک کی بھی آواز نہ نکل سکی۔ ورنہ اہل قلعہ و شہر تیار ہو جاتے طارق
فوراً دروازے پر پہنچا۔ محافظ نیند کے دریا میں غرق تھے۔ انھیں،
ابدی نیند سلایا۔ دروازے کی زنجیر توڑی اور پٹ کھول دیئے۔
جونہی دروازہ کھلا مجاہد تلواریں علم کئے اندر گھس گئے نعرہ تکبیر اتنے

زور سے بلند کیا ---- کہ شہر اور قلعہ میں تہلکہ مچ گیا۔ فوج مقابلہ کے لئے بڑھی۔ مگر مجاہدوں نے اسے مولی گاجر کی طرح کاٹ دیا۔ شہر کا حاکم بھاگنے لگا۔ تو طارق کی کمند کا شکار ہوا۔

اس شہر میں گرجوں اور راہبوں کی کثرت تھی۔ اندلس کا حسن معصوم راہبات کے بھیس میں گرجوں کی زینت تھا۔ یہ راہبات مسلح تھیں۔ مقابلہ پر آئیں، لڑیں اور کٹیں۔ خون بہتا دیکھا تو بہت سی ہتھیار پھینک کر گرفتار ہو گئیں۔

پادریوں کو اپنی صلیبیں نکالنے کا موقع ہی نہ ملا۔ وہ بھاگ کر جان بچانا چاہتے تھے۔ مگر مجاہدوں نے ان کی یہ چال ناکام بنادی۔ بہت سے پادری اور راہبات کچلی گئیں۔ کچھ پادری لقمہ شمشیر بن گئے۔ اتنے میں باقی لشکر بھی شہر میں آن گھسا۔ اب فصیل باہر تھی اور مجاہد اندر تھے۔ جس نے مقابلہ میں تلوار اٹھائی۔ وہ راہگرائے جہنم ہوا۔ جس نے پناہ مانگی اسے پناہ دی گئی۔ صبح تک مجاہد شہر پر قابض تھے۔ طارق قرمونہ کا حاکم تھا۔ اور اہل قرمونہ محکوم تھے۔

جنگ قرطبہ
(۹۳ھ)

قرمونہ فتح ہوا۔ تو طارق کی فوج ظفر موج آگے بڑھی۔ چوراہے پر پہنچی۔ قرطبہ، ملاغہ، غرناطہ اور طلیطلہ کی راہیں اسی چوراہے سے پھوٹتی تھیں۔ طارق نے، کچھ سوچا، فوج کے تین حصے کئے۔ ایک پر مغیث رومی کو افسر بنایا اور حکم دیا کہ قرطبہ پر بڑھو"!

دوسرا حصہ زید بن کسادہ کی سرداری میں دیا۔ اور کہا "پہلے ملاغہ پہنچو۔ اس سے نپٹو، تو غرناطہ پر چڑھائی کر دو"! تیسرا حصہ اپنے ساتھ لیا۔ اور طلیطلہ کا عزم کیا۔

تینوں سرداروں نے اپنا اپنا راستہ لیا۔ مغیث رومی کی فوج قرطبہ پہنچی، شہر پناہ کی بلند اور مضبوط دیوار نے روکا۔ مغیث رک گئے مگر جی چاہتا تھا۔ کہ پر لگ جائیں اور فصیل پر سے ایک ہی پرواز میں گزر جائیں۔ فصیل کیا تھی شہر کے گرد حصار تھا۔ مضبوط، مستحکم، بلند، آسمان سے باتیں کرنے والا۔ اس پر فوج برجوں میں موجود، پتھروں اور تیروں سے مسلح، حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار!

مغیث نے اتنی بڑی رکاوٹ دیکھی۔ تو دروازے پر آئے۔ اور اونچی آواز سے کہا:۔

"امان چاہتے ہو۔ تو دروازہ کھول دو۔ ہم تمھاری کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ نہ تمھارے مذہبی معاملات میں دخل دیں گے اسلام قبول کر لوگے تو ہمارے بھائی بن جاؤ گے"۔

جب کوئی جواب نہ ملا۔ تو اپنے کیمپ میں آئے۔ اور شہر کو گھیر لینے کا حکم دیا۔ شہر محصور ہو گیا، فصیل دونوں لشکروں کے درمیان حد فاصل بن گئی۔ نو دن تک محاصرہ جاری رہا۔ مجاہد بڑھتے۔ تو فصیل انھیں روک دیتی اور اوپر سے تیروں اور پتھروں کی اتنی بوچھاڑ ہوتی۔ کہ گویا پتھروں کا مینہ برس جاتا۔

یہ صورت حال بڑی پریشان کن تھی۔ مغیث پریشان تھے۔ کہ کیا کریں؟ فصیل کیونکر عبور کریں۔! دشمن تک پہنچیں تو دو دو ہاتھ ہوں۔ مگر فصیل ان کے اس عزم پر مسکرا رہی تھی۔ اور زبان حال سے بتا رہی تھی۔ کہ "تم مجھے سر نہیں کر سکو گے"!

مغیث حیران تھے۔ مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر سجدے میں گر پڑے۔ اور رو رو کر خدا سے التجا کی۔

"الٰہی! فتح و شکست تیرے ہاتھ میں ہے۔ تو اپنے بندے کی فریاد سن! اور ہماری اس مشکل کو حل کر"!!

رات کا وقت تھا۔ اندھیرا گھپ چھایا ہوا تھا۔ ابرسیاہ نے اسے اور گہرا کر دیا۔ ہوا کے جھونکے آئے۔ باران رحمت ساتھ لائے، بارش تیز ہوتی گئی، موسلادھار مینہ برسنے لگا۔ ہوا تیز ہوئی اور جھکڑ بن گئی۔ آندھی اور بارش نے وہ سماں باندھا کہ فصیل کے محافظ تک فصیل سے اترے۔ اور محفوظ جگہوں میں جا گھسے۔

مغیث نے غنیمت جانا، ایک چرواہے کو ساتھ لیا، اسے رہنما بنایا، فوج کے ایک دستے کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ فصیل کے پاس آئے۔ انجیر کے ایک درخت کو سیڑھی بنایا۔ ایک سپاہی درخت پر چڑھا۔ اور فصیل پر کود گیا۔ اپنی پگڑی کو رسہ بنایا۔ نیچے لٹکایا، سپاہی باری باری فصیل پر چڑھنے لگے۔ مغیث بھی فصیل پر پہنچے۔ آندھی کے بے رحم تھپیڑوں کی مار کھاتے شہر میں اترے۔ دروازے کی طرف بڑھے، پہرہ دار خواب خرگوش میں پائے، ان کے سر اڑائے، دروازہ کھولا، اپنی فوج کو اندر بلایا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔

اللہ اکبر کے نعرے گونجے، شہر میں شور مچ گیا، محافظ فوج بے بس ہو کر بھاگی، گورنر اپنا محل چھوڑ کر فرار ہوا۔ قلعہ میں گھسا اور سینٹ جارج کے گرجا میں جا چھپا۔

سینٹ جارج کا گرجا۔ قلعہ در قلعہ تھا۔ اس کے چاروں طرف گہری خندق تھی۔ جسے عبور کرنا آسان نہ تھا۔ اب شہر پر مجاہدین کا قبضہ تھا۔ اور گرجا گورنر کی پناہ گاہ۔ مغیث نے شہر کا انتظام

درست کیا۔ لوگ اپنے اپنے کام کاج میں لگ گئے۔ تو گرجا کی طرف توجہ ہوئی۔ آمد و رفت کے راستے سختی سے بند کر دئے گئے۔ اور چوکی بٹھادی گئی۔ کہ گورنر بھاگنے نہ پائے آخر تین مہینے کی ناکہ بندی نے گورنر کو مجبور کر دیا۔ گرجا پر قبضہ ہو گیا، اسے گرفتار کر لیا گیا اور محافظ سپاہیوں کو امان دی گئی۔ راہبوں، پادریوں اور راہبات کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ گرجا آزاد کر دیا گیا۔ اور پادری، راہب، اپنے مذہب کے رسوم بجالانے میں آزاد کر دئے گئے۔

یہ وہ چیز تھی جس کا انھیں سان گمان بھی نہ تھا۔ ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ اور وہ شکر گزار تھے۔ کہ مسلمانوں نے تین مہینے کی جد و جہد کا حساب ان سے نہیں لیا۔

فتح خوشی لاتی ہے۔ عزم و ہمت کو بڑھاتی ہے۔ اور اکثر حدود و اخلاق کو پامال کر جاتی ہے۔ مگر مجاہدوں کا یہ حال تھا۔ کہ وہ نماز شکرانہ ادا کر رہے تھے۔ خدا کی تعریف کے گیت گاتے تھے اور اس فتح کو خدا کی نصرت بتاتے تھے۔ ان کے دل خشوع و خضوع سے بھرپور تھے۔ اور اس کا اظہار نعرہ ہائے تکبیر کی تکرار تھی۔

جنگِ غرناطہ

(سنہ ۹۳ھ)

زید بن کسادہ اپنے سردار کے حکم پر اپنا راستہ طے کر رہے تھے جو شہر راستے میں آتا۔ اس پر قبضہ کر لیتے۔ اکثر شہر ایسے آئے جن کے باشندے مجاہدوں کے ڈر سے بھاگ چکے تھے، جنگلوں اور پہاڑوں میں روپوش ہو چکے تھے۔ بوڑھے اور ناکارہ لوگ باقی تھے، جن کے پاؤں ضعف کے باعث اُٹھتے نہ تھے، جن کی بیماری ان کے لئے بھاری تھی، جنھیں اب صرف تقدیر کا سہارا تھا اور مرگِ ناگہانی کا انتظار!

زید بڑھتے گئے حتٰے کہ غرناطہ کے بلند و بالا مکان، اونچی اونچی خوبصورت عمارتیں انھیں جھانکنے لگیں۔ شہر کی فصیل انھیں گھورنے لگی۔ یہ فصیل اونچی، چوڑی اور بے حد مضبوط تھی۔ شہر اور اہل شہر کی حفاظت مدتوں سے کرتی آئی تھی۔ اور اہل شہر کو اس پر بڑا ناز تھا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ فوج شکست کھا سکتی ہے۔ مگر ہماری یہ فصیل ناقابلِ تسخیر ہے۔

زید کا ہراول دستہ غرناطہ پہنچا۔ فصیل کو دیکھا۔ تو قرطبہ کی فصیل یاد آگئی۔ یہ اتنی اونچی، اتنی مضبوط و مستحکم، یہ کیسے سر ہوگی؟ مجاہدوں کا عزم تسخیر مسکرایا۔ کوئی بات نہیں۔ خدا کی نصرت چاہیئے اس ایسی کئی فصیلوں نے ہمارا راستہ روکا۔ ہمیں قدم قدم پر ٹوکا مگر آخر انھیں ہمارے آگے جھکنا ہی پڑا۔

اگلے دن زید بھی آن پہنچے۔ شہر کی فصیل دیکھ کر ٹھٹکے۔ مگر پھر پکار اٹھے۔

"خدا ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ہماری مدد کرے گا"

فصیل پر فوج تھی، مسلح اور آمادہ جنگ۔ ان کے پاس خنجر تھے اور ڈھیروں سنگ۔ مجاہد گھوڑوں سے اترے۔ زید نے اہل غرناطہ کو پیغام بھیجا۔

"جزیہ دو یا اسلام قبول کر لو یا لڑائی کے میدان میں آجاؤ"!

"اہل شہر نے جواب دیا۔ ہم جزیہ دیں گے نہ اسلام قبول کریں گے۔ ہمیں تلوار کا فیصلہ منظور ہے"۔

زید نے شہر کو گھیر لیا۔ جا بجا اپنے دستے مقرر کیے۔ مجاہدوں نے ڈھالیں سر پر لیں تلواریں ہاتھ کی زینت بنیں، فصیل کی طرف بڑھے۔ قریب آئے، پتھروں کی مار کھائی، پیچھے ہٹے اور مجبور ہو کر فصیل کی طرف اس طرح دیکھنے لگے۔ گویا کہہ رہے

ہیں۔ بے شک تو مضبوط ہے۔ مگر ہمارا عزم تجھ سے بھی زیادہ مستحکم ہے! اور ہم تجھے سر کر کے رہیں گے!!

کئی دن تک محاصرہ جاری رہا۔ مجاہدوں کی بے بسی پر شہر کے لوگ قہقہے لگاتے، پتھر برساتے اور خوشی مناتے، مجاہدوں سے یہ رنگ دیکھا نہ گیا۔ انھوں نے سوچا۔ اس طرح دروازہ شاید قیامت تک نہ کھلے گا۔

"رات آئی" اندھیرے کی یہ شہزادی سیاہ لباس میں ملبوس تھی۔ اس کا تخت رواں ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا۔ زید نے اسے غنیمت سمجھا۔ سپاہیوں کو حکم دیا۔ بچو! پیچھے ہٹ جاؤ۔ دشمن کے لئے میدان خالی کر دو!

حکم کی دیر تھی۔ فوج پیچھے ہٹی اور ہٹتی ہی گئی۔ ایک دستہ قریبی جنگل میں چھپایا گیا۔ صبح ہوئی۔ آفتاب کی روشنی پھیلی، اہل شہر کے جاسوس نے خبر دی۔ کہ اسلامی فوجیں پیچھے ہٹ گئی ہیں۔ یہ سنتے ہی گورنر نے حکم دیا۔ کہ ہماری فوج جائے اور عربوں کے خیموں پر قبضہ کر لے۔ خود بھی ایک دستے کو لے کر قلعہ سے نکلا۔ فتح کی خوشی اور کامیابی کے نشہ میں جھومتا چلا۔ مجاہدوں کے خیمے لٹنے لگے، چھپے ہوئے دستے نے دیکھا۔ اور چپ رہا۔ زید نے دیکھا تو دشمن شہر سے کافی دور آچکا تھا۔ وہ مجاہدوں کو لے کر پلٹا، شیر دل مجاہد عقاب بن کر جھپٹے، تلوار چلنے لگی، شہر کی فوج

بھی مجبوراً لڑنے لگی، مجاہد دل نے وہ تلوار چلائی۔ کہ دشمن کو بھاگتے راہ نہ ملی۔ گورنر مارا گیا۔ اور بہت سے اندلسی کٹ گئے۔ چھپا ہوا دستہ جنگل سے نکلا۔ اور شہر میں داخل ہو گیا۔ فصیل دیکھتی رہ گئی۔ اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

جنگ طلیطلہ

سنہ ۹۳۱ھ

شاہان اندلس کا دارالحکومت، قوطہ بادشاہوں کا نشان عظمت طلیطلہ بہت بڑا اور شاندار شہر تھا۔ دریائے ٹیگس اس شہر کا اسی طرح محافظ تھا۔ جس طرح سانپ خزانے کا نگہبان ہوتا ہے یہ دریا اس عظیم شہر کے گرداگرد کنڈل بنائے، بہتا تھا۔ دریا کی موجیں سرکش تھیں۔ تماشائی انھیں دیکھتا۔ تو دنگ رہ جاتا۔ دریا پر جھاگ اٹھتا تو یوں معلوم ہوتا کہ کوئی بہت بڑا اژدہا، پھنکار رہا ہے۔ لہروں کے پیچ و خم، آپس میں یوں الجھتے گویا اژدہے کشتی لڑ رہے ہیں۔

طلیطلہ کی بلند و بالا عمارات، سربفلک محلات دیدنی تھے نہ شنیدنی۔ بازار کشادہ وسیع، گلیاں فراخ و فسیح، مرد حسن کی کان گورے چٹے، گھبرو جوان، لباس دیدہ زیب، تراش و خراش بے عیب وضع و قطع نفیس، ایک دوسرے کے ہمدم و جلیس، عورتیں حسین مہ وش و مہ جبین، ایک دوسری سے بڑھ کر دلنشیں، خوش گفتار

کبک رفتار، مرکب نازو ادا پر سوار، آفتِ جان، فتنۂ دوراں جو دیکھے، دیکھتا ہی رہے۔

شہر کی فصیل اونچی، مضبوط، حد سے زیادہ مستحکم، چٹان کی چٹان سنگ خارا کی کان، دوہری بنی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے پتھر کاٹ کر نہایت مضبوطی سے جوڑے گئے تھے، فصیل پر چڑھنا قضا و قدر سے لڑنا تھا۔ یہ فصیل کیا تھی دوہرا قلعہ تھا جسے دریائے ٹیگس کے حصار نے اور زیادہ بے خطر بنا دیا تھا۔ اس شہر کی تسخیر ناممکن کی تصویر تھی۔

مجاہد دلیر، دشت بربر کا شیر، جوش اسلام کی تصویر، مرد باتدبیر طارق بن زیاد نے اس شہر کی تسخیر اپنے ذمہ لی تھی۔ وہ بڑھتے، چلتے، راستے کے کانٹے چنتے، سرکشوں کو دباتے، دشمنوں کو گھٹاتے دوستوں کو بڑھاتے طلیطلہ کے قریب پہنچے، امید تھی، کہ طلیطلہ میں مقابلہ سخت اور قتال شدید سے دوچار ہونا پڑے گا۔ مگر جوں جوں قریب آتے گئے۔ حیرانی بڑھتی گئی۔ نہ کہیں فوج دکھائی دی نہ لشکر نظر پڑا۔ نہ کوئی ہتھیار بند ملا۔ رفتار سست کر دی، دشمن گھات میں نہ ہو۔ شہر کی بجائے دیہات میں نہ ہو۔ دام فریب میں نہ پھانس لے!

طارق احتیاط کے گھوڑے پر سوار آ رہے تھے، شہر قریب آتا گیا۔ حتٰی کہ دریائے ٹیگس نے انھیں خوش آمدید کہا۔ ساحل نے

ان کے قدم چھوئے، فصیل پہ نظر پڑی - بے رونق اور سونی سونی نظر آئی، فصیل کے برج خالی دکھائی دیئے، نہ آدم نہ آدم زاد، نہ تیر نہ تیر انداز - حیرت بالائے حیرت الٰہی! ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کیا یہ طلیطلہ ہی ہے! جس کی عظمت کے فسانے ہر جگہ جانے پہچانے ہیں - ٹیکس موجود، فصیل مشہود مگر آدمی مفقود -

طارق اسی حیرانی میں سوچتے بچارتے، قدم قدم چلتے فصیل کے پاس پہنچے، نعرہ تکبیر لگایا کہ طلیطلہ کی فضا گونج اٹھی، مگر پھر بھی کوئی جواب نہ آیا - آدمی دیکھا نہ سایہ نظر آیا - اور چلے آگے بڑھے، لشکر کو پھیلایا - شہر کو گھیرا، دروازے کھلے تھے - نہ فوج تھی نہ سپاہ - شہر کے دروازے خیر مقدم کا منہ کھولے تھے ان کا انتظار بے شمار ختم ہو چکا تھا - جانے والے جا چکے تھے اور آنے والے آ چکے تھے -

مجاہد شہر میں آ گئے، مکان و محلات کھلے پائے - بوڑھے، کمزور بیمار دکھائی دیئے، کوئی تندرست، جوان، مرد باتاب و توان، نظر نہ آیا پوچھا - میاں! حاکم اور فوج کہاں گئی؟

جواب ملا - وہ تو کئی دن سے جا چکی، آپ کے کوچ کی خبر سے ان کی روانگی شروع ہو گئی تھی - اب وہ سب دوسرے شہروں، پہاڑوں اور جنگلوں میں آپ کو مل سکتے ہیں - یہاں تو ہم لاچار، بیمار، نادار، اپنے آپ سے بیزار لوگ باقی ہیں - مار دیجیے

قتل کرو ہم بے بس اب تمہارے بس میں ہیں!

گرجے خالی پڑے ہیں۔ زمزمہ ریز راہب و راہبات، پادریوں سمیت روما پہنچ چکے ہیں، شہر بھر میں اُلّو بول رہے ہیں، ویرانی ہے، حیرانی ہے، پریشانی ہے، وہ بازار جن میں کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ جہاں جوانوں کے ہجوم اور حسیناؤں کی بھیڑ ہوتی تھی اب سنسان پڑے ہیں، محلات و مکانات اپنے مکینوں کو ترس رہے ہیں، نہ محافظ ہیں نہ چور نہ قہقہے ہیں نہ نغمے، نہ آوازیں ہیں نہ زمزمے، موت بھی بھاگ چکی ہے۔ ورنہ ہم اب تک زندہ نہ ہوتے کاش وہی ہماری مونس و دمساز ہوتی!

سپہ سالار نے حکم دیا۔ کہ شہر پر قبضہ کر لو۔ ایک ایک کونے کھدرے کو دیکھو، فریب کا کھوج لگاؤ اگر کسی مرد میدان کو پاؤ۔ تو اسے پکڑ لاؤ۔

حکم ملا۔ مجاہد شہر میں پھیل گئے، فصیل کے برج دیکھے، تہ خانوں کو کھنگالا، قلعہ کو دیکھا بھالا، گرجوں کی عمارات دیکھیں کہیں، کچھ نہ پایا۔ سپہ سالار کے پاس آئے، شہر بھر کی خبر لائے۔

"شہر خالی ہے۔ محلات و مکانات کھلے پڑے ہیں۔
کوئی دروازہ بند نہیں ہے۔ بیمار دل، اپاہجوں، کمزوروں
بوڑھوں کے سوا ایک متنفس بھی شہر میں نہیں۔ گھات
کے امکانات بھی ختم ہیں۔"

طارق نے حکم دیا:" خالی مکانوں کو لوٹ لو۔ وہ مالِ غنیمت ہے۔ جو کچھ پاؤ، یہاں اٹھالاؤ کسی کمزور، بیمار، بوڑھے کو نہ ستاؤ، تمہارے ہاتھ سے کسی بے ضرر انسان کو ضرر نہ پہنچے۔"

مجاہد پھر سے شہر میں پھیل گئے، سونا، چاندی، روپیہ سونے چاندی کے برتن وغیرہ بے شمار مالِ غنیمت ملا۔ جواہرات ڈھیروں کے حساب سے دستیاب ہوئے۔ صدیوں کی جمع شدہ دولت کے خزانے پائے پچیس بادشاہوں کے زریں تاج، جواہرات سے مرصع ملے۔ الغرض قیمتی سامان ہاتھ آیا۔ جو سپہ سالار کے حضور پہنچایا۔

طارق نے مجاہدوں میں مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ پانچواں حصہ اور زریں تاج موسےٰ بن نصیر کی خدمت میں بھیجے۔ ایک دستہ فوج نے یہ سب سامان لیا۔ اور جہازوں پر سوار ہو کر افریقہ پہنچ گئے۔ موسےٰ بن نصیر کی آنکھیں کھل گئیں۔ بے اختیار اس کی زبان سے نکلا:" اندلس سونے چاندی اور جواہرات کی کان ہے"

طارق نے طلیطلہ کا خاطر خواہ انتظام کیا۔ جو لوگ اپنے گھروں میں رہ گئے تھے۔ انہیں دلاسا دیا اور اطمینان دلایا، کہ وہ آزاد ہیں۔ آزادی سے اپنے اپنے کام کاج کریں، مذہبی امور کو ادا کریں۔ مسلمان ان کے مذہب اور رسوم کی ادائیگی میں مطلق دخیل نہ ہوں گے۔

جنگِ مائدہ

دشمنِ کفر و الحاد، طارق بن زیاد انتظام طلیطلہ سے فارغ ہوئے۔ تو دشمنوں کے تعاقب میں آگے بڑھے۔ نئی دنیا، نئے راستے، عبور کرتے، بڑھتے گئے۔ وادی حجارہ میں پہنچے۔ ہر طرف پہاڑوں کے متوازی اور غیر متوازی سلسلے پائے۔

وادی حجارہ سر زمین اندلس کی دشوار گزار وادی تھی۔ اس کے دونوں طرف اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ جو اشجار پر بہار سے گلزار بنے ہوئے تھے۔ پہاڑوں کے درمیان پتھریلی گھاٹی تھی، راستہ تنگ تھا، بہ مشکل چند آدمی پہلو بہ پہلو چل سکتے تھے، لشکر کا اس میں سے گزرنا مشکل تھا، دشمنوں کے حملوں کا دھڑکا تھا زمین غیر تھی، آسمان پرایا تھا، راستہ تنگ اور انجانا تھا، دشمن ہر دل اور چوٹیوں سے حملہ کر سکتا تھا۔ مگر اس اسلامی شیر نے پروا دکی، نصرت الٰہی کے سہارے، راستہ بناتے، کانٹے ہٹاتے خارستان سے دامن بچاتے، چلتے گئے۔ جہاں کہیں دشمن کی بو

پائی، ادھر مڑے، دشمن کا کس بل نکالا، اور آگے چل دئے مجاہد تکبیر کے نعرے لگاتے، پہاڑوں کو ہلاتے، چٹانوں کو لرزاتے، اسلامی جھنڈے ہلاتے، بڑھتے گئے، ایک طرف سے نعرہ لگتا تو پوری وادی گونج جاتی، کوہستان اس نئی آواز سے ناآشنا تھے، درخت، پھل پھول، کانٹے، پتے اس نعرہ سے بیگانے تھے دشمنوں کے دل کانپ گئے، دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں، خوف وہیبت طاری ہوتی گئی۔ وادی حجارہ کو عبور کرنا آسان نہ تھا، مگر مجاہد اسے طے کر ہی گئے۔

وادئ حجارہ کے سرے پر ایک شہر نظر پڑا۔ خوش آب، خوش وضع، خوش تراش، فصیل میں مستور، باغات میں چھپا ہوا، سبزے سے ڈھکا ہوا، نام پوچھا، مائدہ پایا۔ شہر کے قریب آئے، دروازے بند پائے، فصیل پر تیر و تیر انداز نظر آئے، ایک دستۂ فوج الگ کیا۔ اسے اردگرد کے جنگلات میں پھیل جانے کا حکم دیا۔ تاکہ کوئی دشمن ناگہانی حملہ نہ کردے۔ باقی فوج سے شہر کا محاصرہ کیا۔ شہر کے حاکم کو پیغام بھیجا:۔

"والئ مائدہ! ہم آپ کے شہر تک پہنچ چکے ہیں۔ ہم توحید کے مبلغ ہیں۔ اور یہ نعمت آپ تک پہنچانے آئے ہیں۔ قبول کرلو تو ہمارے بھائی بن جاؤ، نہ مانو تو جزیہ دو، اس صورت میں آپ کی حفاظت ہمارے ذمہ ہوگی۔ اگر یہ دونوں باتیں

منظور نہ ہوں تو تلوار کا فیصلہ منظور کرنا پڑے گا۔ غرناطہ، طلیطلہ وغیرہ شہروں سے عبرت حاصل کرو۔ اور ہمیں اپنے فیصلہ سے فوراً مطلع کرو۔ تاکہ ہم اگلا قدم اٹھا سکیں"

والیٔ مائدہ نے پیغام سنا۔ اپنے سرداروں اور مشیروں کو بلایا طارق کا پیغام سنایا۔ اور مشورہ طلب کیا۔ سرداروں اور مشیروں نے کہا "سردار کی رائے بہتر ہوگی۔ لڑاؤ گے تو لڑیں گے، صلح کرو گے تو ہماری گردنیں خم پاؤ گے"

والی نے کہا "اندلس بہادروں کی سرزمین، بہشت سے زیادہ حسین دشمن کے قبضہ میں جا رہا ہے۔ وہ دشمن جو سمندر پار سے آیا ہے۔ حبشیوں کی فوج ساتھ لایا ہے۔ ہمارے شہروں میں لوٹ مار مچا رہا ہے۔ گوروں کو قتل کر رہا ہے۔ اب وہ ساحل سے دور نکل آیا ہے افریقہ دور ہے، اندلس اور افریقہ کے درمیان سمندر حائل ہے۔ اگر ہم کوشش و ہمت سے کام لیں۔ تو دشمن کو بھگا سکتے ہیں، عیسائیت کا بول بالا کر سکتے ہیں، اپنی سرزمین دشمن کے ناپاک قدموں سے پاک کر سکتے ہیں"

سرداروں اور مشیروں نے ہاں میں ہاں ملائی۔ تو اس نے طارق کے پیغام کا جواب دیا۔

"سپہ سالارِ افواجِ اسلام! آپ کی زیادتیوں کو ہم معاف کرتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ اپنے لشکر سمیت واپس چلے جائیں۔ اور پھر

کبھی اس ملک میں واپس نہ آئیں۔ اگر یہ شرط منظور نہیں۔ تو
تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک دو ٹوک فیصلہ کر دے
گی۔"

جواب کیا تھا! اعلان جنگ تھا۔ فوج محاصرہ نے اپنے مورچے
درست کئے۔ گھاتیں انتخاب کیں، نعرہ ہائے تکبیر گونجے، خدا سے
نصرت و اعانت طلب کی۔ اور سر فروشی کے لئے تیار ہو گئی۔

رات کٹی، اس کا کالا جادو اترا، صبح کی روشنی پھیلی، پرندے چہچہائے
مؤذن کی اذان گونجی۔ فضا اس آواز سے تھرائی، دشمن کا دل دھڑکا۔
اس نے آج سے پہلے یہ آسمانی کڑک نہیں سنی تھی۔ حیران تھا۔ کہ
اس آواز ہیبت انداز سے کیا مراد ہے؟

مجاہد نماز سے فارغ ہوئے، خدا سے دعائیں مانگیں، آسمان و
زمین کے مالک سے فتح و نصرت کی التجائیں کیں، گھوڑے کسے ہتھیار
لگائے، اچک اچک کر سوار ہوئے۔ نعرہ تکبیر لگایا۔ خدا کا نام زمین
سے آسمان تک پہنچایا، دشمن کا دل دہلایا، اور حملے کے لئے تیار
ہو گئے۔

اہل مائدہ عیسائی تھے۔ مگر یہ نام کی عیسائیت تھی۔ لڑائی کے
خیال سے اتنا ملال تھا۔ کہ گرجوں کے گھنٹے تک خاموش رہے
پادری ساری رات عفو گناہ میں مصروف رہے۔ راہبات آسمانی
بادشاہت کی بشارتیں سناتی اور فوج کا دل بہلاتی رہیں۔

نعرۂ تکبیر پھر سے گونجا۔ اللہ اکبر کی آواز فضا پر چھاگئی۔ مجاہد بڑھے، ڈھالیں سر پر لیں، فصیل تک پہنچے، رک گئے، آگے کہاں جائیں! فصیل مضبوط و بلند، دروازے بند، کیا کریں! کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

دشمن نے فصیل سے پتھروں اور تیروں کا مینہ برسایا۔ طارق نے تیر اندازوں کو بلایا۔ پتھروں اور تیروں کا جواب تیروں سے دیا۔ مجاہدوں کے نشانے خطا نہ گئے۔ بسم اللہ کے ساتھ ہی فصیل خالی ہو گئی۔ کچھ مرے، کچھ زخمی ہوئے، کچھ پیچھے کو بھاگے، فصیل خالی رہ گئی۔ اور مجاہدوں کا منہ تکنے لگی۔

طارق نے جھٹ سے سیڑھیاں لانے کا حکم دیا۔ سیڑھیاں آئیں، فصیل سے لگائیں، "بڑھو، بڑھو، بڑھو، بڑھو" کی آواز آئی مجاہد گھوڑے چھوڑ، لپک لپک کر اوپر چڑھنے لگے۔ اور ذرا سی دیر میں فصیل پر پہنچ گئے۔

تلواریں نیاموں سے نکل آئیں، نیزوں کی زبانیں چمکنے لگیں، دھم دھم، کودنے کی آوازیں آئیں، دشمن سراسیمہ ہوا، اہل شہر گھبرائے ادھر ادھر بھاگے، فوج نے مقابلہ کیا۔ مگر گاجر مولی کی طرح کٹ گئی، چند مجاہد دروازے پر بڑھے، مارتے، کاٹتے، گراتے لتاڑتے دروازے تک پہنچے۔ دروازہ کھلتے ہی نعرہ تکبیر اس زور سے گونجا کہ شہر کے در و دیوار ہل گئے۔ باہر کی فوج اندر تھی۔ اور شہر کی فوج

بازاروں اور گلیوں میں بھاگی پھرتی تھی ۔ مجاہد تلواریں علم کئے پیچھے تھے۔ اور اندلسی فوج آگے آگے تھی ۔

کچھ دیر یہ ہنگامہ جاری رہا۔ اندلسی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے شہر کا حاکم گرفتار ہوا، الامان، الامان کے شور سے شکست کا اظہار ہوا، رحم دل سپہ سالار نے "امان" کا اعلان کیا۔ اندلسیوں کی جان میں جان آئی، شہر پر مجاہدوں کا قبضہ ہوگیا، مال غنیمت جمع کیا۔

مال غنیمت میں ایک عجوبۂ روزگار میز تھی۔ جس کے متعلق مشہور تھا۔ کہ اسے ٹیگس بیت المقدس سے لایا تھا۔ اور یہ حضرت سلیمانؑ کی یادگار تھی۔ اس میز کے ۳۶۵ پائے تھے۔ جو یاقوت اور جواہرات سے مرصع تھے۔ میز زبرجد کی تھی اور اس کی قیمت کا اندازہ مشکل تھا۔

طارق نے وہ میز اموال غنیمت کے ساتھ اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کی خدمت میں بھجوادی۔ اور مبارک سلامت کی خوشخبری دی۔

طارق مایدہ سے شہر مایہ کی طرف بڑھ گئے اور جلیقیہ جا پہنچے۔ اچانک خبر ملی۔ کہ موسیٰ خود اندلس کے ساحل پر لنگر انداز ہو چکے ہیں۔

جنگِ اشبیلیہ

طارق بن زیاد فتوحات کا سیلاب لئے بڑھے جا رہے تھے، موسےٰ کی آمد کی خبر تو سنی۔ مگر قدم پیچھے نہ ہٹایا اگر ایسا کرتے تو فتوحات کی تکمیل میں رخنہ پیدا ہوتا۔ وہ بڑھتے چلے گئے اور اپنے راستے پر گامزن رہے۔

موسےٰ بن نصیر کے لئے صاف اور کشادہ راستہ تھا۔ راستے کے کانٹے چنے جا چکے تھے۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ چلے اشبیلیہ کو منزل بنایا۔ وہ اس شہر کی اہمیت کے افسانے سن چکے تھے۔

اشبیلیہ بڑا قدیم، بڑا کشادہ اور بہت خوبصورت شہر تھا۔ اس کی فصیل اونچی اور مضبوط تھی۔ دولت و ثروت میں بھی ممتاز تھا شجاعت و بہادری میں بھی شہرت رکھتا تھا۔

موسےٰ چلتے، ٹھہرتے، بڑھتے اشبیلیہ جا پہنچے۔ فصیل شہر نے ان کے اٹھتے ہوئے قدم روک لئے، فصیل کیا تھی۔ شہر کے گرداگرد حصار کوہسار تھا۔ جس کے دربان مردس اشبیلیہ لمبائی، شرمائی اداکف

کو سمیٹے، نازوں کو پیٹے سمٹی بیٹھی تھی۔ شہر کے دروازے بند تھے
برجوں پر شجاع و بہادر، مردانِ جنگی، تیر و ترکش سے لیس آمادہ پیکار
تھے۔ پتھروں کے ڈھیر فصیل پر انبار تھے۔

سپہ سالار نے ایلچی کی معرفت پیغام پہنچایا۔ دعوت اسلام
کا فریضہ انجام دیا۔ ایلچی نے جواب سنا اور سپہ سالار کو سنایا:

"ہم نہ بزدل ہیں نہ کمزور۔ فوج کافی اور سامان حرب وافی
ہے، خوراک کی بھی کمی نہیں۔ ماریں گے اور مریں گے
اپنے مقدس وطن کی سرزمین کے لئے سر دھڑ کی بازی
لگا دیں گے، حوصلہ ہے تو آؤ، اپنے آپ کو اور ہمیں آزماؤ،
تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک ہمارا تمہارا انصاف کر
دے گی۔ مسیح ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کر دیں گے"

موسےٰ نے جواب سنا، وہ اب تک بڑے بڑے قلعوں اور
پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کر چکے تھے، وہ سمندر میں گھوڑے
دوڑا چکے تھے، بڑی بڑی فوجوں اور ٹڈی دل لشکروں کو بھگا
چکے تھے۔ ان کے سامنے اشبیلیہ کی کیا حیثیت تھی!

انہوں نے اپنی فوج کو پھیلایا اور پورے شہر کا محاصرہ کر لیا۔
تکبیر کے نعرے گونجے، اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوئیں، شہر میں جنگی بگل
بجے۔ ناقوس پھونکے۔ خاموشی ختم ہوئی۔ "صلیب کی جے" کے نعرے
اللہ اکبر کے نعروں سے ٹکرائے صلیب و ہلال کی آویزش کا آغاز ہوا!

پہلے تیر اندازوں کی تیر اندگنی کا امتحان ہوا۔ دونوں طرف سے کمانیں کڑکڑائیں۔ تیروں کی سنسناہٹ سے ہوا کے سینے چھدنے لگے۔ تمام تک یہی ہنگامہ رہا۔ آفتاب ڈرا، سہما قلعہ مغرب میں جا گھسا۔ اجالا گھٹا اندھیرا بڑھا اور آہستہ آہستہ ہر طرف چھا گیا۔ دونوں طرف سے تیر اندگنی بند ہوئی، زخمیوں کی مرہم پٹی ہونے لگی اور اگلی صبح کے انتظار میں طرفین کی آنکھیں بے خواب رہیں۔

رات گزر گئی، ادھر درختوں پہ طیور چہچہائے۔ ادھر مؤذن کی آواز کانوں میں رس گھولنے لگی۔ مجاہدوں نے وضو کیا، نماز پڑھی۔ اور کمر بستہ ہو کر آ گئے۔ ڈھالیں سر پر ہیں۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور فصیل کی طرف بڑھے۔ پتھروں اور تیروں کا موسلا دھار مینہ برس گیا۔ فصیل کے اردگرد پتھروں کے ڈھیر لگ گئے۔ مجاہدوں کے قدم رک گئے پورا ایک مہینہ، اسی ہنگامۂ زد و خورد میں گزر گیا۔

مجاہدوں کی یہ محنت رنگ لائی، اہل شہر تنگ آ گئے۔ خوراک بھی ختم ہونے لگی، زخمیوں کی چیخ و پکار نے مجبور کر دیا۔ اب صلح کے لئے دوڑے۔ امان طلب کی۔ جو عطا ہوئی۔ شہر کے دروازے کھل گئے اور موسیٰؒ نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ جزیہ وصول کیا۔ کچھ فوج حفاظت کے لئے چھوڑی اور آگے کا راستہ لیا۔

جنگ مارده

بطریق اعظم اپنے شاندار محل میں محو خواب تھا۔ کہ گرجے کی گھنٹی بجی۔ ٹن ٹن ٹن۔ اور ساتھ ہی شہر کے چھوٹے گرجے بھی ٹن ٹن ٹن کرنے لگے۔ بطریق انگڑائی لے کر اٹھا۔ منہ ہاتھ دھویا۔ شاہانہ لباس پہنا۔ صلیب سینے پر لگائی، غلام نے گھوڑا کسا، جھاڑا، پونچھا، زربفت کی جھول ڈالی۔ بطریق سوار ہو گیا۔ محل میں گھنٹی بجی۔ ایک ہزار غلام فوراً حاضر ہوئے۔ اور بطریق کے ہمراہ گرجے کو چل دیئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ بطریق نہیں کوئی بادشاہ ہے۔ جو اپنے جلوس کے ساتھ عبادت کے لئے جا رہا ہے۔

بطریق گرجے کے دروازے پر گھوڑے سے اترا، ایک غلام نے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ باقی بطریق کے پیچھے آہستہ آہستہ چلے اور گرجے میں داخل ہو گئے۔ گرجے کے راہب اور راہبات حاضر ہوئیں۔ اور سب ادب سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

مارده گرجوں کا شہر تھا۔ گرجوں کی بلند اور خوبصورت عمارات

ہر محلے میں موجود تھیں۔ صلیب کے نشانات گرجوں کی نشاندہی کر رہے تھے۔ شہر میں بلند و بالا عمارات کافی سے زیادہ موجود تھیں۔ جو اپنی بلندی اور مضبوطی میں سارے اندلس میں مشہور تھیں۔ دولت و ثروت میں بھی ماردہ کسی بڑے سے بڑے شہر سے کم نہ تھا۔

طارق کی فتوحات نے اندلس کو ہلا دیا تھا۔ موسیٰ کی آمد نے سارے ملک کو لرزا دیا۔ اشبیلیہ کا سقوط سنتے ہی اہل ماردہ سہم گئے۔ اور ہر جگہ یہی باتیں زبانوں کا سرمایہ بن گئیں۔

بطریق نے شہر کے رؤسا کو بلایا۔ اور کہا:

"اے اہل ماردہ! طارق کی بلا کم نہ تھی۔ کہ اب موسیٰ کی آفت آگئی۔ اشبیلیہ فتح ہو چکا۔ اب ماردہ کی باری ہے۔ موسیٰ یقیناً ادھر آئے گا۔ اے مسیحؑ کے پیارو! کنواری مریم کے پرستارو! تم نے اپنے لئے کیا سوچا ہے؟ اب عقل کے گھوڑے زیادہ دنوں تک نہیں دوڑیں گے اٹھو، کمر کسو، ہتھیار اٹھاؤ، صلیب کو سینے سے لگاؤ۔ اور اس طرح ڈٹ جاؤ کہ حملہ آور منہ کی کھائیں اور سمندر پار بھاگ جائیں"

رؤسا نے سینے پر ہاتھ رکھے۔ مرنے مارنے کی قسمیں کھائیں بطریق سے عفو گناہ کے طالب ہوئے۔ بطریق نے سب کو بہشت کی خوشخبری دی۔

حکام نے شہر کو مضبوط کیا۔ قلعوں کو مستحکم بنایا۔ فصیل کے رخنے درست کئے۔ فوج نے ہتھیار لگائے۔ اور موسیٰ کا انتظار کرنے لگے۔

شام قریب تھی۔ آفتاب آرام کی تیاری کر رہا تھا۔ دن بھر کے سفر سے خستہ و ماندہ تھا۔ رات سورج کے استقبال کے لئے بڑھی آرہی تھی۔ ماردہ کے گرجوں میں گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔ کہ دور سے اللہ اکبر کی آواز ہوا کے دوش پر ماردہ پہنچی۔ گرد کے بگولے آسمان کی خبر لانے لگے۔ فضا غبار آلود ہونے لگی۔ جاسوس بھاگم بھاگ آئے۔ اور اطلاع دی کہ مجاہدوں کا لشکر قریب پہنچ گیا ہے۔ سارے شہر میں خطرہ کی گھنٹیاں بج گئیں۔ قلعوں کے مورچوں میں بہادر جا بیٹھے۔ برج آباد ہو گئے، پہرے لگ گئے، شہر کے دروازے بند ہو گئے، حفاظت کے سامان چند در چند ہو گئے۔

مجاہد شہر سے دور ایک وسیع میدان میں اترے، خیموں ڈیروں کا شہر آباد ہو گیا۔ اللہ اکبر کی گونجیلی آواز فضا میں گونج گئی۔ مجاہد وضو کر کے خدا کے حضور سر بسجود ہو گئے۔ ان کے چہرے غم و فکر سے بے نیاز تھے، ایک ابدی سرور طاری تھا، بندے اپنے مولا سے ہمنوا و ہم آواز تھے، نہ کوئی شور تھا، نہ ہنگامہ، نہ رقص تھا۔ نہ گانا۔ قرآن کی تلاوت ہی ان کے لئے سب کچھ تھی۔ وہ ایسی لے اور اس سوز سے تلاوت کرتے تھے کہ پرندے ان کی آواز و انداز پر مرتے تھے

رات تیاری اور کمر بندی میں کٹ گئی، مؤذن کی آواز پُر اعجاز نے صبح کی آمد کا اعلان کیا۔ موسٰے نے نماز پڑھائی۔ دعا مانگی۔ اور میدان میں نکلنے کا حکم دیا۔

اہل ماردہ بڑے طمطراق سے نکلے۔ صفیں درست کیں، میمنہ میسرہ قائم کیا۔ حاکم شہر خود قلب میں ٹھہرا، پادری سینے پر صلیب رگائے، ہاتھوں میں انجیلیں اٹھائے، آئے، اپنی فوج کے سامنے پھرے، انجیل کی آئتیں سنائیں۔ اور کہا:۔

"وطن کی حفاظت میں جانیں لڑا دو۔ گرجوں کی نگہبانی میں سب کچھ لٹا دو۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ ناموس مسیح کے لئے کٹ مرنے والا مقدس بیٹے کے داہنے ہاتھ بیٹھے گا۔ اور باپ کا چہیتا ہو گا۔ اے اہل ماردہ! ان بدیسیوں کو ایسا سبق دو۔ کہ پھر تمہاری زمین کا رخ نہ کریں۔"

فوج کا جوش بڑھ گیا۔ بیٹے کے دائیں ہاتھ بیٹھنے کی مسرت میں جھوم گئی، تلواریں نیاموں سے نکالیں، اور مجاہدوں پر حملہ کر دیا۔

مجاہد اپنے سردار کے حکم کے پابند تھے۔ دشمن کی جلد بازی پر خورسند تھے۔ انہوں نے عیسائی فوج کی بڑھتی ہوئی موج کو تیروں پر لیا۔ سینکڑوں چھد گئے۔ میدان آہ و بکا اور چیخم دھاڑ سے بھاڑ بن گیا۔ ایک لمحہ کے لئے عیسائی حملہ رک گیا۔ مجاہدین کا میمنہ فوراً بڑھا۔ اور عیسائی میسرہ سے اس طرح ٹکرایا۔ کہ آفت مچ گئی حشر

بپا ہو گیا۔ تلوار سے تلوار ٹکرائی۔ اور دانت نکال کر رہ گئی۔ نیزے کچاپچ کر کے رہ گئے۔ کبھی یہ بڑھتے کبھی وہ چڑھتے۔ میدان، جنگ دھکاپیل کی تصویر تھا۔

عیسائی میمنہ نے اسلامی میسرہ پر حملہ کیا۔ یہ حملہ اتنی شدت کا تھا۔ کہ حملہ آور دیوانے ہو رہے تھے۔ ڈرنے اور مرنے کا توسوال ہی نہ تھا۔ مگر آفرین ہے مجاہدوں پر، کہ انھوں نے نہایت پامردی سے روکا۔ اور ایسی کاری ضرب لگائی کہ عیسائی میمنہ کو ہٹتے ہی بنی۔

اتنے میں قلب، قلب سے ٹکرا گیا۔ مجاہدوں کا دل بڑھا اور عیسائیوں کا قلب گھبرا گیا۔ موسٰے نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور فوج سے آگے بڑھ کر دشمن کو چھیڑا وہ تلوار چلائی کہ دشمن ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر پیش نہ گئی آخر پیچھے ہٹے۔ بکھرے ہوئے دستوں کو دوبارہ منظم کیا۔ اور بڑھ کر حملہ کیا۔ تلوار اور نیزہ، خنجر اور ڈھالیں حرکت میں آگئیں گھوڑے سے گھوڑا ٹکرایا، سوار سے سوار لڑا، وہ گھمسان کا دن پڑا کہ خدا کی پناہ!

شام ہونے آئی۔ مگر لڑائی اسی طرح تراز و تھی۔ آخر رات نے سیاہی پھیلادی۔ دشمن نے طبل بازگشت بجایا۔ شہر میں داخل ہوا اور دروازے بند کر کے اطمینان کا سانس لیا۔ مجاہد بھی واپس لوٹے

جدال و قتال کا یہ سلسلہ کئی مہینے تک قائم رہا۔ آخر عیسائی حوصلہ ہار بیٹھے۔ اور صلح کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ موسےٰ نے صلح منظور کرلی۔ مگر یہ شرط قائم رہی کہ شہر چھوڑنے والوں کے اموال اور گرجوں کی دولت مجاہدوں کی ہوگی۔ چنانچہ جب شہر کے دروازے کھلے تو مجاہدوں نے بے شمار اموال غنیمت جمع کئے۔ گرجوں سے جواہرات کی عظیم مقدار دستیاب ہوئی۔ راڈرک کی ملکہ بھی اسی شہر میں تھی۔ وہ بھی گرفتار ہوئی۔ جس سے موسےٰ کے بیٹے عبدالعزیز نے نکاح کرلیا۔

جنگ سرقسطہ

طارق بن زیاد طلیطلہ میں مقیم تھا۔ فتح کا جھنڈا سر پر لہرا رہا تھا۔ خون جوان، ہمت جوان، ایمان جوان تھا۔ آئندہ کے لئے چڑھائی کا رخ معین کر رہا تھا۔ کہ خبر آئی۔ "موسےٰ طلیطلہ آرہے ہیں۔"

طارق چونکا۔ "آقا اور مربّی تشریف لائے۔ اور غلام و شاگرد قدم بوسی نہ کرے۔" بڑی بے ہنگم بات تھی۔ وہ فوراً اٹھا اپنی فوج ظفر موج کو ساتھ لیا۔ اور موسےٰ کے استقبال کو چل دیا۔

موسےٰ ابھی تلاویرا پہنچے تھے۔ کہ طارق کی آمد کی خبر سنی۔ ٹھہر گئے، انھیں طارق سے اتنی محبت تھی کہ اپنی اولاد سے بھی اتنی نہ ہو گی۔ اپنے پیارے شاگرد کی کارگزاری پر خوش تھے۔ وہ ایک سال کے بعد اپنے پیارے، فاتح شاگرد کو دیکھنے کے متمنی تھے۔

طارق کی فوج کو آتے دیکھا۔ تو خود بھی سوار ہو گئے۔

طارق جونہی قریب پہنچا۔ گھوڑے سے اترا اور اپنے مربّی کی قدم بوسی کو بڑھا۔ ساری فوج سردار کو پیادہ دیکھ کر گھوڑوں سے اتر آئی۔ اور فوجی طریق پر سلام و نیاز بجا لائی۔

موسےٰ نے طارق کو محبت سے گلے لگایا۔ اس کی فتوحات کی داستانیں سنیں، اس کی بہادری اور جانبازی پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔ مگر فوجی تادیب کے لئے چشم نمائی بھی کی۔

اس چشم نمائی سے شاگرد کی رہنمائی مقصود تھی۔ اب چڑھائی کے لئے صوبہ ارغون کو منتخب کیا گیا۔ اور دونوں فاتح ایک ساتھ اس صوبہ میں داخل ہوئے۔ طارق موسےٰ کا ہراول تھا۔ وہ فوج لئے سیلاب تند کی طرح بڑھتا اور چڑھتا جاتا تھا۔

صوبہ ارغون اپنے پہاڑوں، دریاؤں اور ندی نالوں کے لئے مشہور ہے۔ یہاں کے پہاڑ گل پوش ہیں۔ دریاؤں کے ساحل چمن بدوش ہیں۔ زمین مختلف رنگوں سے رنگین ہے، لالہ زار ہیں، چٹیل میدان ہیں، مسطح میدانوں میں گرمی و سردی شدید ہوتی ہے۔ اس کے باوجود سر بفلک کوہستان برف کی سفید ٹوپیاں پہنے رہتے ہیں۔

سرقسطہ اس صوبے کا صدر مقام ہے۔ جس کی رونق اور آبادی کو شہرت دوام حاصل ہے۔ موسےٰ اور طارق ان پہاڑوں

وادیوں اور میدانوں کو اس طرح پھلانگ گئے۔ گویا وہ کوئی عقاب ہیں۔ جو پہاڑوں کی بلندیوں ہی پر اڑا کرتے ہیں اور مشکلات سے ان کی ہمت بڑھ جاتی ہے۔

دونوں مجاہد فتح کے جھنڈے اڑاتے، ہمت و جوانمردی کے جوہر دکھاتے، دشمنوں کو دباتے اور بھگاتے سرقسطہ آ پہنچے ان کی آمد سے پہلے ان کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی۔ اور شہر کو مضبوط کر لیا گیا تھا۔ جونہی آمد کا غبار نظر آیا۔ شہر کے دروازے بند ہو گئے۔ مجاہد شہر سے کچھ دور اترے۔ اور ڈیرے خیمے لگا کر ایک نیا شہر آباد کر لیا۔

موسٰے نے شہر کے حاکم کے پاس ایلچی بھیجا۔ اپنی آمد کی اطلاع دی۔ اسلام کی دعوت پہنچائی۔ اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔

حاکم شہر ایک جیالا، اور جری عیسائی تھا۔ اس نے اپنے سرداروں کو بلایا۔ موسٰے کا پیغام سنایا۔ اور کہا۔ اب مجھے آپ کیا مشورہ دیتے ہیں!!

ایک سردار اٹھا۔ اور بولا۔ سردار! ہم سب جانثار اور وفادار ہیں۔ جان دینے کو حاضر ہیں مال قربان کرنے کو تیار ہیں۔ مگر یہ وہ سیلاب ہے۔ جسے راڈرک جیسا عظیم بادشاہ بھی نہ روک سکا اور جان دے کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ اب تک جس شہر

پر یہ لوگ بڑھے ہیں۔ میں فتح نے ان کے قدم چومے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ ہمارا فیصلہ متفقہ اور سنجیدہ ہونا چاہیئے"۔

دوسرا سردار اٹھا۔ آداب بجالایا۔ اور عرض کی۔

"سردار کا حکم آخری حکم ہے۔ سردار کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے، حالات سب کے سامنے ہیں۔ اگر آپ لڑائیں گے تو لڑیں گے۔ چاہے موت ہی سے لڑنا اور پنجہ آزمائی کرنا پڑے۔ طارق ہی کیا کم تھا۔ کہ اب موسیٰ بھی اس کے ساتھ ہے۔ وہ موسیٰ جو طارق جیسے جنگجو، بہادر، جری، اور جیالے جوانمرد پیدا کرتا ہے۔ مسلمانوں سے مقابلہ آسان نہیں جان جوکھوں کا کام ہے۔ سنا ہے۔ مسلمان اپنے وعدہ کے بڑے پکے اور اپنی باتوں کے بڑے سچے ہیں۔ وہ لڑنے والوں سے لڑتے ہیں۔ اور نہ لڑنے والوں کو امان دے دیتے ہیں۔ ضرورت کے مطابق خون ضرور بہاتے ہیں۔ مگر بلا ضرورت خون کا ایک قطرہ گرانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ سب کچھ سہی۔ مگر وہ ہیں بیگانے غیر سے قول و فعل کا کیا اعتبار"؟

حاکم شہر نے کہا "میرا خیال ہے۔ کہ ہم کچھ دن مقابلہ کریں

اپنی اور دشمن کی طاقت کا جائزہ لیں۔ ممکن ہے۔ ہم وہ کچھ کر دکھائیں جو دوسرے شہر نہیں کر سکے۔ اگر ہم دیکھیں گے کہ دشمن سے پیش پانا محال ہے۔ تو صلح کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور امان حاصل کر لیں گے"!

سب سرداروں نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور اپنے اپنے مورچوں میں پہنچ کر انہیں مضبوط کرنے لگے۔ رات بھر اسی چکر میں رہے۔ کسی نے بھی آرام نہ لیا۔

رات اپنے ہیبت ناک سائے لائی۔ اور انھیں طویل کرتی گئی۔ سائے بڑھتے گئے۔ اور روشنی کے مینار مختصر ہوتے ہوتے موم بتیاں سی رہ گئیں۔ چند لمحوں کے بعد یہ موم بتیاں بھی اندھیرے کی سیاہی میں اپنے منہ پر کالک مل کر بیٹھ گئیں۔ اب اجالا شب سیاہ کا منہ کالا بن چکا تھا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ زمین اور فضا کا ذرہ ذرہ منہ چھپا کر بیٹھ گیا تھا۔ رات کی حکومت تھی اور اندھیرے کا راج!

آسمان پر ستاروں نے اپنی قندیلیں جلائیں۔ اور اندھیرے میں اجالا پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہوئے۔ ان کی ٹمٹماتی ہوئی قندیلیں صبح تک جلتی رہیں۔ نسیم سحر کے جھونکے آئے۔ اور ستاروں کی یہ ننھی ننھی قندیلیں بھی بجھا گئے۔ اللہ اکبر کی سحر آگیں آواز سے مجاہد ہوشیار ہوئے، اٹھے، وضو کیا، نماز

پڑھی۔ اور خدا سے فتح ونصرت کی دعائیں کیں۔ اتنے میں اجالا بڑھا، اندھیرا گھٹا، ہر طرف بقعۂ نور بن گئی۔ کونے کھدرے تک روشنی پہنچ گئی۔

طارق نے نعرہ تکبیر مارا، جسے سن کر مجاہد ہتھیار لگا کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ موسیٰ بھی گھوڑے پر سوار آپہنچے اپنے جوانوں کو للکارا اور کہا، "مجاہدو! دشمن تمہارے سامنے ہے۔ بڑھو اور ان کے ظلم وستم سے رعایا کو بچانے کا وسیلہ بنو عدل وانصاف سرداری تمہارا حصہ ہے۔ اس ملک کے چپے چپے پر اپنی جوانمردی اور جاں نثاری کے جھنڈے گاڑ دو۔ اسلام کا نام بلند کرو، اپنے نیزوں سے دشمنوں کے سینے چھید کر رکھ دو۔ اپنی تلواروں سے ان کے سر قلم کر دو"

مجاہد یہ آواز، زلزلہ انداز سن کر جوش میں آ گئے۔ پتھروں اور تیروں کی بارش میں بڑھے۔ شہر کا دروازہ توڑا۔ اور اندر گھس گئے۔ شہر کی محافظ فوج دروازے پر جمع ہو گئی۔ گھنٹوں مدافعت کی۔ خوب تلوار چلائی۔ مگر مجاہدوں نے اپنے نیزوں سے انھیں اس طرح چھیدا کہ انہی سوراخوں سے ان کی جان نکلتی گئی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ مجاہد لاشوں پر سے گزرے۔ خون کے دریا کو عبور کیا اور شہر کے گلی، کوچے میں پہنچ گئے۔ حفاظتی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور الامان الامان کا شور

مچا دیا۔

موسیٰ نے فوراً ہاتھ روک لینے کا حکم دیا۔ شہر پر قبضہ کر لیا اور سب سے بڑے گرجے پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔ قبضہ کو مضبوط بنایا اور ہزاروں بربری اس شہر میں آباد کر دیئے۔

سرقسطہ کے سقوط سے صوبہ ارغون پر قبضہ مکمل ہو گیا۔ دونوں بہادر جرنیلوں نے اندلس کی آخری حدود تک دشمنوں کا کانٹا نکال دیا۔ اور اس طرح پورا اندلس مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

جنگ ناربون

(سنہ ۱۰۰ھ)

فاتح افریقہ و اندلس موسےٰ بن نصیر ۹۳ھ میں اندلس آئے اور ۹۵ھ میں واپس بلائے گئے۔ طارق بن زیاد بھی اپنے مربی کے ساتھ تھے۔ موسےٰ نے اندلس کی حکومت اپنے قابل، ہونہار، مجاہد نامدار، فرزند باوقار، عبدالعزیز کے حوالے کی تھی جنھیں اپنوں ہی کی سازشوں نے ۹۷ھ میں شہید کر دیا۔ ان کی جگہ ان کے چچیرے بھائی ایوب بن حبیب نے لی۔ مگر خلیفہ وقت سلیمان نے اسے معزول کر دیا۔ اور محمد بن عبدالرحمٰن کو حکومت اندلس عطا کی۔
جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انھوں نے سمح کو اندلس کا گورنر بنایا۔ سمح ایک نہایت شریف، متقی، پرہیز گار مجاہد تھا۔ جو موسےٰ کے ماتحت طارق بن زیاد کے ساتھ بڑا نام پیدا کر چکا تھا۔

سمح نے بہت جلد اندلس کے اندرونی نظام واستحکام سے فراغت حاصل کر لی۔ اب اسے اپنی طبیعت کی جولانی اور امنگوں

کی فراوانی دکھانے کا موقع ملا۔ اس نے مجاہدوں کی ایک فوج
اپنے ساتھ لی، اندلس کی سرحد پر پہنچا۔ اور جنوبی فرانس کی حدود
میں داخل ہو گیا۔ میدانی راستوں کو چھوڑا۔ پہاڑی پگڈنڈیوں پر
دوڑا، دشوار گزار پہاڑوں اور وادیوں کو عبور کرتا گیا۔ گویا وہ
ایک بلند پرواز اور پر دم عقاب تھا۔ جسے کوہستانی بلندیوں پر اڑنے
میں مزہ آتا تھا۔ وہ بڑھتا، چڑھتا، اترتا، مڑتا، پہاڑوں، ندیوں
دریاؤں، نالوں کو پھلانگتا، عبور کرتا بڑھتا گیا۔ راستے میں جو کانٹا آیا
نکالا، جو رکاوٹ آئی، ایک طرف ہٹائی، جو گردن اکڑی دیکھی اسے
جھکایا، جو سر اونچا دیکھا، اسے دبایا۔ یہ سماں دیکھا۔ تو ہر دشمن گھبرایا
ڈرا، سہما، بھاگا، اور اپنا سب کچھ مجاہدوں کے لئے چھوڑ گیا۔

بعض مقامات ایسے بھی آئے۔ جہاں دشمنوں کے جھگڑے ہوئے
مگر شیر دل مجاہدوں نے قدم آگے ہی بڑھائے، دشمن لڑتے
شکست کھاتے، کٹتے، مرتے، جو بچتے وہ بھاگ جاتے۔

مجاہد بڑھتے گئے۔ بڑھتے گئے حتیٰ کہ ناربون کے نواح میں
آ پہنچے۔ یہ شہر جنوبی فرانس کا صدر مقام اور مشہور نامور شہر تھا۔
اس کی اونچی فصیل بڑی عریض و طویل تھی۔ بڑی بڑی چٹانیں کاٹ
کاٹ کر اسے تعمیر کیا گیا تھا۔ گویا شہر کے گرد اگرد کوہسار کا حصار
تھا۔ جس سے ٹکرانا دشوار سے دشوار تھا۔

مجاہد آہستہ آہستہ بڑھتے گئے۔ حتیٰ کہ فصیل نے ان کی پیش قدمی

روک دی۔ سمح نے لشکر کو اتارا، فصیل کو دیکھا، استحکامات پر غور کیا۔ رخنے تلاش کئے، کمزور جگہوں کی جستجو کی مگر نہ کوئی رخنہ ملا۔ نہ کمزور مقام پایا۔ سوچا، کیسے بڑھیں؟ ایسی بلند و بالا دیوار پر کیسے چڑھیں؟ دشمن سے دو دو ہاتھ کیسے کریں؟ وہ آسمان پر ہم زمین پر، بیسیوں گزوں کا فاصلہ! ناممکن و محال! نہیں نہیں یہ مشکل آسان ہوگی، یہ ناممکن ممکن ہوکر رہے گی۔ خدا ہمارے لئے آسانیاں پیدا کرے گا، اپنے پیغام کی تبلیغ کے لئے راستہ بنائے گا۔

فصیل کے گرد فوج ظفر موج اتری، سرداروں کو مامور کیا، فصیل کی طرف بڑھے۔ مگر برجوں نے پتھر اگلنے شروع کر دیئے پیچھے ہٹے، ہٹ کر بڑھے۔ مگر وہی کچھ پیش آیا۔ جس سے پہلے سابقہ پڑ چکا تھا۔ تیر اندازوں کو حکم دیا۔ اپنی قادر اندازی دکھائیں، فصیل کے محافظوں کو تیروں کا نشانہ بنائیں، انھیں مار مار کر فصیل سے نیچے گرائیں۔

زد و خورد کا یہ سلسلہ پورے ایک مہینے تک قائم رہا۔ ہر روز بیسیوں محافظ زخمی ہوتے۔ کچھ مرتے، کچھ بے دل ہوکر بھاگتے، کچھ بیمارخانوں میں جاتے۔ جو شفا پاتے، وہ فصیل پر آنے سے گھبراتے اور اکثر بھاگ جاتے۔

حاکم شہر یہ حال دیکھ کر گھبرایا۔ اور آخر صلح کا پیغام پہنچایا۔ جسے سمح نے قبول فرمایا۔ مجاہدوں نے ناربون پر قبضہ کیا اور سارے

جنوبی فرانس میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔

جنگ تولوس (۱)

ناربون کی فتح سے جنوبی فرانس کی عام فتح کا دروازہ کھل گیا۔ مجاہد ہر طرف پھیلتے اور بڑھتے گئے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں نے ان کے قدم چومے۔ دریاؤں کی گھاٹیوں نے انھیں خوش آمدید کہا۔ جنگل کے اونچے اونچے درختوں نے اسلامی پرچم لہرائے میدانوں نے ان کے لئے اپنی آنکھیں بچھا دیں۔

سمح بڑھتے گئے، تولوس تک میدان صاف ہو چکا تھا۔ تولوس کو دیکھ کر مرکب عزیمت بھڑکا، اسے بھی فتح کر لینے کا خیال آیا۔ اور یہاں بھی اسلامی جھنڈے کی سربلندی دیکھنے پر طبیعت مائل ہوئی۔

تولوس بڑا مشہور شہر تھا، اہل شہر بہادر اور جری تھے۔ لڑنا اور مرنا جانتے تھے۔ انھوں نے مجاہدوں کا راستہ روکا مجاہد رک گئے۔ شہر کو محصور کر لیا۔ جھڑپیں شروع ہوئیں۔ مرنے مارنے کا آغاز ہو گیا۔

جس قدر اہل شہر نے مقاومت کی اسی قدر سمح نے پائداری دکھائی محاصرہ کا حلقہ تنگ سے تنگ تر ہوتا گیا۔ یہاں تک اہل شہر مایوس ہو گئے۔ اور صلح کی گفتگو ہونے لگی۔

قریب تھا۔ کہ شہر مجاہدوں کے حوالے کر دیا جائے۔ کہ ایکویٹن ریاست کا عیسائی نواب آپہنچا۔ اس کے ساتھ ایک بڑی فوج تھی اہل شہر کے دل مضبوط ہو گئے۔ ان کے مرے ہوئے حوصلے زندہ ہو گئے۔ امید کے بجھے ہوئے چراغ جل اٹھے۔ اور مصالحت کی گفتگو بے نتیجہ ہو کر رہ گئی۔

دشمنوں کی کثرت، غیر ملک، کمک سے ناامیدی، مجاہد گھبرا سے گئے۔ مگر سمح کے پرجوش حملوں نے انھیں پھر سے حوصلہ مند بنا دیا۔ سمح سارے محاذ پر گھوڑا دوڑاتے، جہاں دشمن کا زور پاتے، فوراً وہاں پہنچ جاتے، اپنی تیغ خوں آشام چمکاتے۔ اور انھیں مار تے بھگاتے، نواب کی فوج اس شیر کے حملوں سے گھبرا گئی۔ کسی عیسائی جنگجو کو جرأت نہ تھی۔ کہ اس کا راستہ روکتا، جب وہ نیزہ اٹھاتے تو بس چھیدتے اور گراتے چلے جاتے۔ تلوار اٹھاتے، تو کاٹتے، خون بہاتے، کشتوں کے پشتے لگاتے نکل جاتے۔

عیسائی جنگجو سمح کے مسلسل حملوں سے تنگ آ گئے۔ قریب تھا کہ بھاگ جاتے۔ اتفاقاً ایک عیسائی نے پیچھے سے نیزہ پھینکا، اس کی یہ حربہ اندازی خالی نہ گئی۔ نیزہ پیٹھ کو پار کر کے پیٹ کو چھید

گیا۔ مجاہد لڑکھڑایا۔ گھوڑے سے گرا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ اب میدان میں وہ شیر نہ تھا۔ مجاہد بے سر ہو گئے۔ دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ مجاہد پیچھے ہٹنے لگے۔ اتنے ہٹے کہ ناربون آپہنچے، دشمن میدان پر چھا گیا۔

ناربون پہنچے۔ تو عبدالرحمٰن کو اپنا سردار چنا۔ اس شیر نے مجاہدوں کو پھر سے منظم کیا۔ اور عیسائیوں کی طرف بڑھا۔ ایسے تڑکانہ حملے کئے۔ کہ دشمنوں کے حملوں کا زور توڑ کر رکھ دیا۔ جو قدم پیچھے ہٹتا تھا اسے آگے بڑھایا۔ بڑھنے والوں کو روکا۔ اور اس قدر لتاڑا پچھاڑا کہ دشمن پیچھے کو بھاگا۔

مجاہدوں نے نعرہ تکبیر لگایا۔ فرانس کی زمین کو ہلایا۔ اور خدا کا نام بے خبروں تک پہنچایا۔ بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مجاہد لدے پھندے واپس آئے۔ اور خدا کا شکر بجا لائے۔

جنگ تولوس (۲)

سمح کی شہادت سے فتوحات کی رفتار رک گئی۔ عنبسہ بن سحیم کو سمح کا منصب ملا۔ یہ مجاہد بڑا جیالا اور ہمت والا تھا۔ اندرونی انتظامات سے فارغ ہوا۔ تو جنوبی فرانس پر حملہ کر دیا۔ اور دور دور تک اسلامی جھنڈے کی سربلندی کا اہتمام کیا۔ سرکش اور باغی عیسائیوں کو دباتا، جھکاتا، قلعہ پر قلعہ فتح کرتا دور تک نکل گیا اس نے دریائے راہون کی وادی کو تکبیر کے نعروں سے بھر دیا۔ لیانس پر قبضہ کر لیا، برگنڈی اور راوتن کی دیواریں ہلا دیں۔ اور اسلام کا پرچم دور دور تک لہرایا۔ مگر عیسائیوں کے متفقہ حملوں نے اس شیر کو موت کے آہنی پنجرے میں ڈال دیا۔

عنبسہ کی جگہ عبدالرحمٰن کو ملی۔ اس نے جہاد کا اعلان کیا۔ ایک لاکھ مسلمان لبیک کہتے ہوئے آئے، عبدالرحمٰن نے جھنڈے اٹھائے اور جنوبی فرانس میں گھس گیا۔ جو سامنے آیا۔ اسے تلوار کا مزہ چکھایا۔ ایکیوٹین کی ریاست پاؤں میں روند ڈالی، دریائے ڈارڈون کو

پار کیا۔ اور پائیٹیز پر قبضہ کر لیا۔ سینٹ ہلاری کے مقدس گرجے پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔

یہ مجاہد فتح کے پھریرے اڑاتا، تلوار چلاتا، بڑھتا چلا گیا۔ اس قدر مال غنیمت پایا۔ کہ مجاہدوں کے دوش اسے اٹھانے سے قاصر رہ گئے۔

یوں تو سارا فرانس روندا گیا۔ مگر چارلس کی ریاست ابھی تک محفوظ تھی۔ جنوبی فرانس کی مفتوحہ ریاستوں کے نواب، چارلس کے ہاں جمع تھے۔ ان کا کوئی اور ٹھکانا بھی تو نہ تھا۔

اس شکست اور پائمالی نے ان کا غرور توڑ دیا۔ انھوں نے آپس کے اختلافات کو چھوڑا اور متفق و متحد ہو گئے۔ پادریوں نے گاؤں، گاؤں، شہر شہر پھر کر عیسائیوں کو ابھارا، قومی غیرت کا واسطہ دیا، مذہب کا خطرے میں ہونا بیان کیا، عوام نے ان سے بہشت کا وعدہ لیا۔ اور میدان میں سربکف آ گئے۔ ایک لاکھ کا عظیم لشکر جمع ہوا۔ اور چارلس کی کمان میں مجاہدوں سے لڑنے کے لئے چل پڑا۔

تورس کے میدان پر قرعہ پڑا، دونوں فوجیں اس وسیع و عریض میدان میں آمنے سامنے ہوئیں۔ مجاہد مال غنیمت سے گراں بار تھے۔ عیسائی ہلکے پھلکے، لڑنے اور مارنے مرنے کے لئے تیار تھے۔ پورے سات دن آئے اور گزر گئے طرفین خاموش

تھے، مجاہد بے خروش تھے۔ مگر عیسائی پرجوش تھے۔ لشکر کی کثرت سامان جنگ کی زیادتی، اپنا دیس، کمک کی امید سب کچھ عیسائیوں کے ساتھ تھا۔ مگر مجاہد پرائے دیس میں تھے، سامان جنگ کی کمی تو نہ تھی۔ مگر اموال غنیمت کی محبت دلوں میں رچی بسی تھی۔ وہ ان اموال سے دست کش ہونے کو تیار نہ تھے۔

سات دن گزر گئے، آٹھواں دن طلوع ہوتے ہی عیسائیوں نے حملہ کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے لہو کی ندیاں بہ نکلیں۔ میدان کارزار میں لالہ زار کھل گیا۔

شام نے دونوں لشکروں کو الگ الگ کیا۔ دونوں اپنے اپنے کیمپوں میں ہٹ گئے۔ دونوں طرف سے کشتوں کی تعداد قریباً برابر رہی۔ دن بھر کے تھکے ماندے سو گئے۔ رات دونوں کے گرد پہرہ دیتی رہی۔

نواں دن بڑا ہی سخت تھا۔ دونوں طرف سے کوشش تھی کہ فتح و ظفر اسی کے حصے میں آئے۔ اس لئے لڑائی کل سے بھی زیادہ شدید تھی۔ مجاہد عیسائیوں کو دباتے گئے۔ بھگاتے گئے۔ نواب ایکویٹن نے یہ حال دیکھا تو تڑپ گیا۔ اپنے خاص دستہ فوج کو نکالا۔ اور مجاہدوں کی رسدگاہ پر حملہ کر دیا۔ یہیں اموال غنیمت کے ڈھیر تھے۔ مسلمان اموال غنیمت کو بچانے کے لئے لپکے۔ تو عیسائی فوج پر دباؤ کم ہوا۔ اس،

نے فوراً بڑھ کر زور کا حملہ کیا۔ مجاہدوں کی صف بندی ٹوٹ گئی۔ لشکر بے ترتیب ہو گیا۔ دشمن کو بڑھنے کا موقع ملا۔ وہ زور دے کر بڑھا۔ اور مجاہدوں کو دباتا گیا۔

اگرچہ یہ جنگ بے ترتیب تھی۔ مگر تھی بڑی شدید۔ مال کے لالچ میں کاٹنے والے کٹ رہے تھے۔ خون بہ رہا تھا۔ کشتوں پر کشتے گر رہے تھے۔ آج فرانس کی سرزمین مجاہدوں سے خون کی کثیر مقدار لے رہی تھی۔

عبدالرحمٰن نے ترتیب کو درست کرنے کی کوشش کی۔ بڑھ بڑھ کر حملے کئے۔ بے تحاشا تلوار چلائی، نیزے کی نوک پر دشمنوں کو تولا۔ مگر بگڑی نہ بنی، اکھڑے ہوئے پاؤں نہ جمے، بھاگی ہوئی فوج نہ ٹھہری۔ پسپائی کو پائداری نہ ملی۔ فوج بکھر رہی تھی۔ مگر عبدالرحمٰن کے حملوں کی تیزی میں فرق نہ آیا۔ وہ حملے پر حملہ کرتا گیا۔ لڑتا گیا، بڑھتا گیا۔ دشمن کے قلب میں پہنچا۔ سالار لشکر کو نہ پایا۔ واپس پلٹا۔ تو دشمنوں کے حصار میں تھا۔ ہزاروں تلواریں اور سینکڑوں نیزے اسے گھیرے ہوئے تھے۔ وہ ذرا نہ گھبرایا جدھر منہ کرتا۔ دشمن کائی کی طرح چھٹ جاتے۔ جدھر بڑھتا۔ اسے راستہ مل جاتا۔ سامنے کے دشمن بھاگتے۔ راستے سے ہٹ جاتے، مگر دائیں، بائیں اور پیچھے سے دشمنوں کی تلواریں اور نیزے اس پر برس جاتے۔

اسی زد وخورد میں مجاہد کا گھوڑا بری طرح زخمی ہوا۔
اس کا سارا جسم لہو لہان ہو رہا تھا۔ بدن سے خون کے فوارے
چھوٹ رہے تھے۔ یہی کیفیت سوار کی تھی۔ اسے سینکڑوں زخم
لگ چکے تھے۔ اس کا جسم گلزار بنا ہوا تھا۔ ہلکے، گلابی، رنگ کے
زخم پھولوں کی طرح مسکرا رہے تھے۔ لہو کی تلیاں بہ رہی تھیں
مگر ہاتھ چل رہے تھے۔ تلوار اپنا کام کر رہی تھی۔

گھوڑا بے دم ہو کر گرا، مجاہد بھی بے بس ہو کر زمین پر آ رہا۔
ایک ہی دفعہ سینکڑوں تلواروں کا مینہ برس گیا۔ گرا ہوا مجاہد
پھر نہ اٹھ سکا۔ تلواروں اور نیزوں کے بے شمار زخم لے کر جنت
الفردوس کو سدھار گیا۔

یہ حال دیکھ کر سورج نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ رات بھاگی
بھاگی آئی۔ اور میدان کارزار کو تیرہ و تار کر دیا۔ چارلس کی فوج،
رک گئی۔ رات کے پردے میں مجاہد اپنی جانیں لے کر پیچھے
ہٹے۔ اموال غنیمت اور خیمہ و خرگاہ وہیں رہ گئے۔

صبح نے اپنی روشنی پھیلائی۔ چارلس کی فوج بڑھی۔ میدان مجاہدوں
سے خالی تھا۔ دیکھتے بھالتے آگے بڑھے۔ چھاؤنی کو خالی پایا۔ خیمہ
و خرگاہ کو لوٹا۔ اموال غنیمت کے گٹھڑ اٹھائے۔ اور اسی فتح کو
غنیمت سمجھا۔ تعاقب کا خیال نہ کیا۔

مال کی محبت، فرض کی ادائیگی کے راستے میں رکاوٹ

بنی - اور ساری محنت و سرفروشی اکارت گئی - فتح شکست میں تبدیل ہو گئی - اور مسلمان جان کی خیر مناتے گھروں کو لوٹے -

---

سازش کا انجام

ہشام کی وفات نے الحکم کے لئے تخت حکومت خالی کر دیا۔ چھبیس برس کا یہ نوجوان تخت پر بیٹھا۔ عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ اور بے فکری سے انتظام حکومت میں منہمک ہوا اس کے دو چچا سلیمان اور عبداللہ تھے۔ سلیمان طنجہ میں مقیم تھا۔ اور عبداللہ طلیطلہ میں رہائش پذیر تھا۔

الحکم کی تخت نشینی انھیں گوارا نہ ہوئی۔ دونوں بھائیوں نے مشورہ کر کے سازش کی بنیاد رکھی۔ عبداللہ فرانس کے بادشاہ شارلمین اور ایکویٹن کے حکمران سے ملا۔ نوجوان بھتیجے کی حکومت ختم کرنے کے لئے انھیں اکسایا۔ دونوں عیسائی حکمران ہشام سے پٹ چکے تھے۔ انھیں بھی انتقام لینے کا شوق چرایا۔ فیصلہ یہ ہوا۔ کہ سلیمان اور عبداللہ ملک میں غدر مچائیں۔ اور عیسائی حکمران اندلس پر حملہ کر کے الحکم کی حکومت ختم کر دیں۔

سلیمان طنجہ سے چلا۔ چھپتا چھپاتا، سازش کے داؤ پیچ آزماتا

اندلس پہنچ گیا۔ عبداللہ نے طلیطلہ کے حاکم کو اپنے ڈھب پر لگایا۔ اسے سبز باغ دکھائے۔ اور بغاوت کر دی۔

الحکم نے فوراً اپنی فوج کو آراستہ کیا۔ طلیطلہ پہنچا۔ اور شہر کے ارد گرد چھا گیا۔ شہر مضبوط تھا۔ دروازے بند تھے۔ لڑنے مرنے کے سامان تیار تھے۔ نئے اور نوجوان بادشاہ کی ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھانے کی صورتیں مہیا تھیں۔ سلیمان اور عبداللہ شہر کے اندر بیٹھے سازشوں کے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ نیا بادشاہ شہر کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہا تھا۔ ابھی اس حالت کو دو تین دن ہی گزرے تھے کہ اچانک خبر پہنچی کہ :۔

"ایکوٹین کے بادشاہ لوئی نے اسلامی مقبوضات پر حملہ کر دیا ہے۔ اور جیرونده، لارده، وشقہ پر قابض ہو گیا ہے ساتھ ہی یہ اطلاع بھی پہنچی کہ شارلیمین کا بیٹا بھی پیش قدمی کر رہا ہے۔ اور کوئی دن جاتا ہے۔ کہ یہ دونوں مل کر اندلس پر حملہ کر دیں گے"

نیا بادشاہ، نئی عمر، نیا تجربہ الحکم نے فوراً طلیطلہ کا محاصرہ چھوڑا اور وادی ایبرو کی طرف یلغار کر دی۔ یہ یلغار اتنی تیز تھی۔ کہ گویا الحکم کوئی آندھی تھا یا بگولہ۔ تیز سے تیز چلا اور جلد سے جلد پہنچا عیسائی حکمران اسے ناتجربہ کاری کے ساتھ سست اور نکما بھی سمجھتے تھے۔ مگر جب آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔ تو الحکم اپنی فوج لئے سامنے

نظر آیا۔ حیران رہ گئے۔ اب نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ مجبوراً سامنا کرنا پڑا۔

عیسائی حکمرانوں کے دل ڈول رہے تھے۔ مگر عیسائی فوجیں جن کے منہ کو لوٹ کا مال لگ چکا تھا۔ لڑنے مرنے کو تیار تھیں۔ لوٹا ہوا مال واپس کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ ان کی اکڑ تکڑ دیکھ کر حکمرانوں کے پژمردہ حوصلوں میں بھی شگفتگی پیدا ہوئی۔ اور انھوں نے اپنی فوجوں کی صفیں درست کیں۔

الحکم نے اپنے خاص دستے کو ساتھ لیا۔ اپنی فوجوں کو دشمنوں کے گرد پھیلایا اور اس تیزی سے حملہ کیا۔ کہ باز اور عقاب بھی اس کی جھپٹ کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اس نے پہلے ہی حملے میں عیسائی قلب کو پراگندہ کر دیا۔ فوجوں کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ اور اس طرح تلوار چلائی کہ دیکھتے ہی دیکھتے قلب بے قلب ہو کر رہ گیا اس کے مجاہدوں نے دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ چاروں طرف سے اس طرح گھیر کر قتل عام شروع کیا کہ عیسائی فوجیں گیدڑوں کی طرح بھاگ نکلیں۔ اسلامی تلواریں ان کے پیچھے تھیں اور وہ آگے آگے بھاگ رہے تھے۔ جب مسلمان مل کر نعرہ تکبیر لگاتے۔ تو دشمنوں کے دل اور دہل جاتے۔ اور وہ بھاگ بھاگ کر اپنی جان بچاتے۔ مگر جتنا قدم آگے بڑھاتے۔ اسلامی تلواروں کو اتنا ہی قریب پاتے۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مال

غنیمت کے ڈھیر پڑے رہ گئے۔ اور عیسائیوں کی لاشوں سے میدان بھر گیا۔ فرانس کا مقبوضہ علاقہ پھر سے مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

الحکم عیسائیوں کی اکڑی ہوئی گردنیں توڑ کر واپس اندلس پہنچا اس کے چچا طلیطلہ میں دریائے ٹیگس کے کنارے فوجیں لئے پڑے تھے۔ ایک ہی حملے میں بھاگ اٹھے۔ اور مرسیہ میں جا پہنچے۔ الحکم وہیں پہنچا۔ لڑائی ہوئی۔ اور سلیمان مارا گیا۔ عبداللہ نے امان مانگی۔ اسے جان کی امان تو مل گئی مگر اندلس سے خارج کر دیا گیا۔

جنگ برشلونہ

چھاؤں کی سازش کو توڑنے اور باغیوں کی گردنیں مروڑنے میں تین سال لگ گئے۔ اس عرصہ میں شارلمین اور دوسرے عیسائی حکمرانوں نے اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لئے بڑا کام کر لیا۔ انہوں نے مقبوضہ فرانس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اور سرحد کے ساتھ ساتھ مضبوط قلعے اور فصیلیں تیار کر لیں۔

الحکم اندرونی بغاوتوں کو دبانے اور ملکی انتظام درست کرنے میں مصروف تھا۔ عیسائیوں نے سمجھا۔ کہ اب الحکم ادھر نہیں آئے گا۔ اور اگر آئے گا۔ تو پٹ کر جائے گا۔ ان کا حوصلہ اتنا بڑھا۔ کہ انہوں نے برشلونہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

برشلونہ اندلس کی سرحد پر ایک ساحلی شہر تھا۔ زید اس شہر کا حاکم تھا۔ عیسائیوں کی یلغار ہوئی۔ تو وہ قلعہ بند ہو گیا۔ سات مہینے تک محاصرہ جاری رہا۔ زید نے ان سات مہینوں میں مطلق آرام نہ کیا۔ وہ برابر دشمنوں سے لڑتا رہا۔ رسد ختم ہو گئی۔ مگر زید

کا حوصلہ پست نہ ہوا۔ وہ عیسائیوں کی فوجوں سے جنگ کرتا رہا۔ گھوڑے، گدھے، جو کچھ تھا۔ کھا پی کر برابر کئے۔ جب حرام چیزیں بھی ختم ہوگئیں۔ تو سوکھے چمڑے بھگو بھگو کر پیٹ کی آگ بجھائی اسے الحکم سے مدد کی امید تھی۔ مگر الحکم اندرونی پھوڑوں سے کراہ رہا تھا۔ جب نہ کمک پہنچی۔ اور نہ خوراک میسر آئی۔ تو تلوار لے کر دشمنوں پر جھپٹ پڑا۔ بے شمار دشمنوں میں اس کی تلوار چلتی رہی وہ مارتا، کاٹتا جدھر بڑھتا۔ دشمن آگے سے ہٹ ہٹ جاتے مگر اس کے پیچھے دائیں، بائیں تلواریں ہی تلواریں تھیں۔ نیزے ہی نیزے تھے۔ کلہاڑے ہی کلہاڑے تھے۔ بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ وہ لڑتا رہا۔ اپنی بہادری کے جوہر دکھاتا رہا۔ اس کا جسم زخموں سے چور تھا۔ کپڑے خون سے بھیگے ہوئے تھے خون بہ رہا تھا۔ اس کا جسم صدہا زخم پر زخم سہ رہا تھا۔ گھوڑا اتنے زخم نہ سہ سکا۔ گرا اور اس کے ساتھ ہی سوار نے بھی گر کر دم توڑ دیا۔

عیسائی جلاد شہر میں داخل ہو گئے۔ قتل عام کی کھلی چھٹی مل گئی۔ عورتیں بچے، بوڑھے، بیمار جو نظر پڑا۔ خون کے دریا میں نہا گیا۔ ظالموں نے عیسائیوں کو بھی نہ چھوڑا۔ ان کی عورتوں اور بیٹیوں کی ان کی آنکھوں کے سامنے عصمت دری کی۔ ان کے اعضا کاٹے، انہیں نیزوں پہ اچھالا آگ میں جلایا۔ شہر کو لوٹا۔

بڑی بڑی عمارتیں راکھ کا ڈھیر بنا دیں۔

الحکم نے سب کچھ سنا۔ ذرا سی فرصت پائی تو برشلونہ کی یاد آئی۔ فوج لی اور یلغار کرتا، تیز تیز چلتا وادی ایبرد میں جا گھسا۔ تلوار اٹھائی، اور عیسائیوں کی گردنوں پر چلائی۔ مارتا کاٹتا، روندتا، مسلتا، کچلتا، بپھرتا، بڑھتا گیا۔ برشلونہ پہنچا۔ تو وہ راکھ کا ڈھیر تھا۔ بہادر زید اور اس کے بہادر ساتھیوں کی ہڈیاں تک جل بھن چکی تھیں۔ اسے اپنے آپ پر بہت افسوس آیا اس نے عیسائیوں سے اپنے بہادروں کا بدلہ لیا۔ انھیں مارا، کاٹا، لتاڑا، روندا، کچلا، بھگایا۔ اور سارے جنوبی فرانس کے ساتھ وشقہ اور طرکونہ کے شہروں پر بھی قبضہ کر لیا۔

عیسائی سمجھے تھے۔ کہ الحکم کی تلوار کند ہو چکی ہے۔ وہ اب ادھر آنے کا حوصلہ نہیں کرے گا۔ مگر مسلمان کی تلوار تو وہ تلوار ہے۔ جو اپنی کاٹ میں ذوالفقار ہے۔ جسے کند ہونا آتا ہی نہیں۔ وہ دشمنوں کے لہو سے تیز ہوتی ہے اور اسی میں اس کی زندگی ہے۔ شارلیمین اور اس کے ساتھی اس تلوار کی دھار کئی بار آزما چکے تھے۔ مگر ہر بار بھول جاتے تھے اور اپنے ظلم و ستم کی سزا پاتے تھے۔

زید شہید ہو گیا۔ مگر اسلامی جرأت اور حوصلہ مندی کا وہ جوہر دکھا گیا۔ جو قدرت نے ہر مسلمان کے دل میں ودیعت

کر رکھا ہے۔ اور جس کا نظارہ طاغوتی طاقتیں ہمیشہ دیکھتی رہیں گی۔ وہ بڑھ کر بھی گھٹیں گی۔ اور پھیل کر بھی سمٹیں گی مسلمانوں کا جوش و تہور ان کے لئے باعث رشک رہے گا۔

جنگ لیون

لیون عیسائیوں کی ریاست تھی۔ مگر اندلس کی اسلامی حکومت کے ماتحت تھی۔ اردن ثانی حکمران ہوا۔ تو اس کے بازوؤں میں اپنی طاقت کا زور مچلا۔ اس نے اسلامی سیادت کا جوا اُتار پھینکا۔ اور اسلامی علاقوں کو تاخت وتاراج کرنے لگا عبدالرحمن الناصر، امیر عبداللہ کا تیئس سالہ پوتا، سریر آرائے سلطنت تھا۔ اس نے ابن ابی عبدہ کو سرکوبی کے لئے بھیجا۔ جس نے لیون کے بادشاہ اردن ثانی کو سبق آموز شکست دی۔ مگر یہ عیسائی حکمران اتنا ڈھیٹ نکلا کہ اگلے سال پھر سے حملہ کر دیا۔ اور دریائے تاجہ کو عبور کر کے طلبیر پر قبضہ کر لیا۔ ابن ابی عبدہ پھر سے لیون میں داخل ہوا۔ چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کو جیتتا گیا۔ آگے بڑھا۔ تو اردن ثانی اپنا لشکر لئے ہوئے مقابلہ پر آگیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی، اسلامی فوج میں بربر کافی تعداد میں شریک تھے۔ وہ عیسائیوں کے حملہ سے گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ مگر ابن ابی عبدہ نے پروا نہ کی

وہ بے دھڑک لڑا اور لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔

عبدالرحمٰن نے اپنے وزیر بدر کی قیادت میں ایک فوج اس مہم پر روانہ کی۔ تاکہ وہ ابن ابی عبدہ کا انتقام لے۔ اور دشمن کو اس کی گستاخی کی سزا دے۔

بدر لیون میں داخل ہو گیا۔ متونیا کے مقام پر دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی۔ بدر وزیر باتدبیر تھا۔ اس نے اپنی فوج کو اس خوبی سے لڑایا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ وہ بری طرح پسپا ہو کر بھاگا۔ بدر نے لیون کے بہت سے سرحدی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

محرم کا مہینہ تھا۔ اور ۳۰۸ھ تھا۔ کہ خود عبدالرحمٰن نے لیون پر چڑھائی کی۔ اسلامی فوج اللہ اکبر کے نعرے لگاتی، فتح کے پرچم اڑاتی، دشمنوں کو کچلتی، ریاست لیون میں داخل ہو گئی۔ مگر جہاں پہنچی دشمن کے نشان پا تک دکھائی نہ دیئے۔ اردن اپنی افواج سمیت بھاگ چکا تھا، پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپا پھرتا تھا۔ اسلامی فوج بڑھتی گئی حتےٰ کہ دریائے ابرہ کو عبور کر گئی۔ دوسرے کنارے پہ قدم رکھا ہی تھا۔ کہ ریاست نبرہ کے عیسائی حکمران کا لشکر نظر آیا۔ عیسائی نواب شانجہ پوری تیاری کے ساتھ منتظر پایا۔ عیسائیوں کا بے شمار لشکر دیکھا۔ تو مجاہدوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ شانجہ نے "مسیح کی جے" سے فضا میں ہلچل

پیدا کی۔ طبل جنگ بجوایا۔ ناقوس پھونکا۔ اپنے ہراول کو بڑھایا اور مجاہدوں سے آن ٹکرایا۔ یہاں کیا دیر تھی! فوراً ہی گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ مجاہد نعرے لگاتے، دشمنوں کو دھکیلتے بڑھتے گئے۔ تلوار سے تلوار ٹکرائی، نیزہ سے نیزہ بھڑا۔ کچا کچ اور کھچا کھچ کا شور مچا۔ کمانیں تڑاق تڑاق تیر برسانے لگیں، سر کٹنے لگے، لہو بہنے لگا۔

مجاہدین نے وہ کھیت ڈالا۔ کہ کسان اپنی فصل کیا کاٹیں گے! ان کی تلواریں اور نیزے دشمن کو کاٹنے اور چھیدنے لگے۔ اس گھمسان کا رن پڑا۔ کہ میدان رزم میں سرخ قالین بچھ گئے۔ جسموں سے خون پھڑ پھڑ گیا۔ آخر عیسائی بھاگ نکلے آدھے سے زیادہ لشکر کھیت رہا۔ تاہم بچے کچھے سپاہی سمیٹ کر فرار ہو گیا اور پہاڑوں میں چھپ کر جان بچائی۔

عیسائیوں کی یہ پناہ گاہ ایسا درہ تھا۔ جس کی تنگ دامانی کا یہ عالم تھا۔ کہ دو دو چار چار سپاہیوں سے زیادہ آدمیوں کے لئے راستہ ہی نہ تھا۔ عیسائی اپنے مورچوں میں بیٹھے، تھے۔ جونہی اسلامی فوج اس درے میں آئی، بڑے بڑے پتھر لڑھکنے لگے۔ عبد الرحمٰن نے یہ حال دیکھا تو جلد سے جلد درے کو عبور کرنے کا حکم دیا۔

تاہم اوپر اوپر سے پتھر ہی لڑھکاتے رہ گئے۔ اور مسلمان

درے کو عبور کر گئے۔ کھلے میدان میں پہنچے۔ تو دشمن کو مقابلے کے لئے للکارا، لڑائی ہوئی، تو عیسائی فوجیں ایک ہی حملے میں بھاگ نکلیں۔ مجاہدوں نے ان کا تعاقب کیا۔ اور بھاگنے والوں کے سروں پر بجلی بن گرے۔ انھیں کاٹتے، مارتے کچلتے، لتاڑتے، بھگاتے، ہنکاتے دور تک چلتے گئے۔ دروں میں گھس گھس کر بھگوڑوں کو نکالا۔ تلواروں سے کاٹا اور نیزوں پر اچھالا۔ ایک ہزار فوجی مویز کے قلعہ میں جا کر چھپ گئے عبدالرحمٰن نے انھیں وہاں بھی نہ چھوڑا، پکڑا اور تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ نبرہ کی ساری ریاست پر قبضہ کر لیا۔ اور دشمنوں کو قرار واقعی سزا دی۔ بے شمار مال غنیمت پایا اسے اٹھایا۔ اور اپنے دارالحکومت کو کوچ فرمایا۔ قرطبہ پہنچا۔ اور اس فتح عظیم پر خدا کا شکر بجا لایا

جنگِ بحیرہ

عیسائیوں کو اسلامی اقتدار سے ضد تھی۔ وہ دن رات اسی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ کہ کسی طرح اندلس کی اسلامی حکومت کو ختم کر دیں۔ اور مسلمانوں کو ان کے صحراؤں میں دھکیل دیں یا بحیرہ روم کی پر آشوب موجوں میں ڈبو دیں۔

جنگ لیون عیسائیوں کے لئے عبرت آموز تھی۔ آتش کینہ اس سے بڑھ کر پرسوز تھی۔ عبدالرحمن کے واپس قرطبہ پہنچتے ہی وہ پہاڑی دروں اور جنگلوں سے نکلے۔ اپنی ریاستوں میں آئے، اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اردن اور شانجہ نے ایک بڑا لشکر جمع کیا۔ اسے ہتھیاروں سے لیس کیا اور اسلامی علاقوں میں مار دھاڑ کرنے لگے۔ ہر طرف لوٹ مار مچانے اور دندنانے لگے۔

قرطبہ دور تھا۔ عبدالرحمن ان سے طویل فاصلہ پر تھا۔ ان کینہ دشمنوں نے مسلمانوں سے اپنا انتقام لینا شروع کیا۔ اور

یہ جرأت اتنی بڑھی۔ کہ بکیرہ پر آدھمکے۔ اسے محصور کیا۔ اور مغلوب ہونے پر مجبور کیا۔ شہر قبضہ میں آیا۔ تو موقع پایا تلواریں چمکائیں۔ اور مسلمانوں پر برسائیں۔ بچے، بوڑھے، عورتیں، کمزور بیمار جو دیکھا تلوار کے گھاٹ اتارا۔ سارے شہر میں ایک مسلمان بھی زندہ نہ چھوڑا۔ پوری کی پوری آبادی اپنے غصہ کی آگ میں جلا دی۔ اموال لوٹ لئے، ہنستا بستا شہر قبرستان بن گیا۔ چیل گدھ، مسلمانوں کا گوشت کھانے لگے،

عبدالرحمٰن نے یہ واقعہ سنا۔ تو تڑپ اٹھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے، فوج کو تیار کیا۔ آندھی بن کر اٹھا، بگولا بن کر بڑھا، بجلی بن کر کڑکا۔ رعد کی صورت گرجا۔ بڑھا اور بڑھتا ہی گیا۔ حتےٰ کہ نبرہ کی حدود آگئیں۔ انھیں پار کیا بادوباراں کا جھکڑ بن کر چھایا۔ مگر افسوس کہ کوئی دشمن سامنے نہ آیا۔ شہر خالی پائے، گاؤں سونے دیکھے۔ گلیاں اور بازار انسانی آواز کو ترس رہے تھے، آبادیوں میں الّو بول رہے تھے۔ انتقام کے ڈر سے دشمن شہروں اور دیہات سے بھاگ چکے تھے۔ اب دور بہت دور کہیں چھپے بیٹھے تھے۔

عبدالرحمٰن بکیرہ کے شہیدوں پر رو دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہا۔ دل کی آگ کو آنسوؤں کا سیلاب ٹھنڈا نہ کر سکا۔ وہ نبلونہ پر بڑھا۔ اس شہر کو بھی خالی پایا۔ تو غصے کی

آگ سے فصیل کو مٹایا، شہر کے محلات کو جلایا۔ مکانوں اور محلوں کو پیوندِ زمین بنایا۔ دشمنوں کے مسکن کو خاک میں ملایا۔ فوج کو بڑھایا۔ کہ نبرہ کے ذلیل حکمران کو تلاش کریں۔

ذلیل حکمران پہاڑوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ جب دیکھا۔ کہ نبلونہ کی طرح ریاست کے سارے شہر کمیت بن جائیں گے تو اس کے سوا چارہ نہ دیکھا۔ کہ ذلیل ہو کر خود حاضر ہو گیا۔ ہاتھ جوڑے، ماتھا رگڑا، رویا، گڑگڑایا، پاؤں میں سر رکھا۔ کہ قصور معاف ہو۔ گناہ بخشا جائے، مجرم ہوں، گنہ گار ہوں، اپنے کئے پر شرمسار ہوں، آئندہ ایسی غلطی، اور ایسی بھول کبھی نہیں ہو گی، امان امان اے شاہ اندلس، اے شاہ زمان! امان!

عبدالرحمٰن اسے تلوار کا مزہ چکھانا چاہتا تھا۔ مگر جب اس کی عاجزی اور الحاح و زاری دیکھی۔ تو دل پسیج گیا۔ اسے معاف کیا۔ اور آئندہ کے لئے شرافت سے جینے کا عہد لیا پھر اس کی ریاست اسے ہی بخش دی۔ اور اپنی فوج کے ساتھ واپس پھرا۔

قرطبہ پہنچا۔ تو رعایا نے بڑی محبت اور عقیدت سے استقبال کیا۔ ایک جشن منعقد ہوا۔ جس میں سارے اندلس کے علماء فقہا جمع ہوئے۔ اس موقع پر عبدالرحمٰن نے

پہلی مرتبہ خلیفہ ہونے کا اعلان کیا۔ اور امیر المؤمنین، حامیٔ دین عبد الرحمٰن الناصر الدین اللہ کا لقب اختیار کیا۔

لیون کی تباہی

عبدالرحمٰن الناصر فوت ہوا تو اس کا بیٹا الحکم ثانی تخت پر بیٹھا۔ اس کا عہد علمی عہد تھا۔ عیسائی جب بھی موقع پاتے اپنی سرحدوں کو پھیلاتے، اور اندلس کے میدانوں میں اتر آتے الحکم کتابیں بند کر دیتا، تلوار لیتا اور گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھتا، برق بن کر عیسائیوں پر گرتا اور ان کے آشیانے ویرانے میں تبدیل کر دیتا۔

الحکم فوت ہوا۔ تو عیسائی حکمرانوں نے سمجھا۔ بلا ٹلی۔ اب انھیں کون روکے گا؛ راستے میں کون ٹوکے گا۔ ان کے ہاں گھی کے چراغ جل گئے۔ ان کی راکھ میں چنگاریاں جنم لینے لگیں ان کے بھوبل میں سے شرار سے باہر کو جھانکنے لگے۔

ابن عامر منصور تخت حکومت پر جلوہ فگن تھا۔ جامعہ قرطبہ کی وسعتی تعمیر شروع تھی۔ منصور خود کبھی کدال لئے بنیا دیں کھودتا۔ کبھی آری لیتا اور لکڑی کاٹنے لگتا۔ وہ مسجد کی تعمیر میں

مصروف تھا۔ کہ لیون کے بادشاہ کی بغاوت کی اطلاع پہنچی۔ اس ظالم حکمران نے نہ صرف بغاوت کر دی۔ بلکہ لیون میں مقیم اسلامی دستے کو مار کاٹ کر بھگا دیا۔

منصور نے سنا، مسجد کا کام چھوڑا۔ فوج کو خبردار کیا۔ خود ہوشیار ہوا، ہتھیار پہنے اور گھوڑے پر سوار ہوا۔ باگیں اٹھائیں اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ فضا گونجی، ہوا جھومی، جوش جہاد بڑھا۔ شجاعت کا نشہ چڑھا۔ چلتا، بڑھتا، نعرے لگاتا، فوج کو بڑھاتا، اندلس کی سرحد کو پار کر گیا۔ لیون کی حد پامال کی، راستے کے روڑے ہٹائے کانٹے نکالے، دشمن کو للکارا، شاہ لیون کو پکارا، جس نے راستہ روکا، اسے تلوار کا مزہ چکھایا، جس نے مزاحمت کی اسے جہنم پہنچایا۔

شاہ لیون مقابلے پر آیا۔ فوج کٹوائی، بھاگا، اور شیروں کا راستہ کھلا چھوڑ دیا۔ مجاہد بازوں کی طرح جھپٹے، شیروں کی طرح غرائے، دھاڑے، للکارے، مگر عیسائی تھے۔ کہ اسلام کی للکار کے سامنے گیدڑوں کی طرح چھپ گئے۔

منصور نے دویرہ کے دریا کو پار کیا۔ جو قلعہ دیکھا اسے مسمار کیا۔ جو شہر نظر آیا۔ اسے ہموار کیا۔ بڑھتا گیا۔ بڑھتا گیا۔ اور لیون جا پہنچا۔ عیسائیوں نے یہاں کچھ مزاحمت کی۔ مگر منصور کی یلغار نہ روک سکے۔ مرے، کٹے، کچلے گئے، بھاگے۔ اور جدھر

کسی کا منہ اٹھا۔ فرار ہوا اسلامی تلواروں نے انھیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پا پایا۔ اور آب شمشیر پلایا۔ مزاحمت ختم ہوگئی، دشمن نابود ہوئے غدار و سرکش مفقود ہوئے شہر کے مکانات گروائے، محلات خاک میں ملائے، فصیل کو توڑا، لیون کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور عیسائیوں کو ان کی بدعہدی کا وہ مزا چکھایا، کہ جس نے دیکھا غش کھایا، جس نے سنا، کانپ کانپ اٹھا، یہ انتقام یہ بدلہ کتنا ہولناک اور کس قدر خوفناک تھا؛

لیون مٹا تو سمورہ کی باری آئی۔ عیسائی فوج مقابلہ پر آئی۔ مگر منہ کی کھائی، ہولناک شکست پائی، کٹی، مری، بھاگی، دہائی مچائی، الامان الامان کا شور اٹھا، منصور کو رحم آگیا۔ تلوار کو نیام کیا۔ گھوڑے کو روکا، فوج کو حکم دیا۔ بس۔ اب بس کرو۔ جو رحم کا طالب ہو۔ اس پر رحم کرو۔ جو عفو کا خواستگار ہو۔ اسے معاف کرو۔

سمورہ کا حاکم ہاتھ باندھے حاضر ہوا۔ مسیحؑ کی قسم کھائی۔ کہ پھر بدعہدی نہ ہوگی۔ ہم ہمیشہ وفادار اور باج گزار رہیں گے۔ سر مو اطاعت سے انحراف نہ کریں گے۔

منصور نے اسے معاف کر دیا۔ لیون اور سمورہ کو اپنا باج گزار بنایا۔ جنگ کا تاوان وصول کیا۔ فوج کو سمیٹا۔ اور واپس قرطبہ کی راہ لی راستہ بھر اندلس کا ہر شہر اور ہر قریہ استقبال کے

لئے آیا۔ مبارک سلامت کی صدائیں اٹھیں۔ اللہ اکبر کے نعرے
لگے۔ امیر زندہ باد! اندلس زندہ باد! اسلام زندہ و پایندہ باد کی
آوازوں سے سارا اندلس گونج اٹھا۔ شکرانے کے نوافل ادا
کئے۔ غربا و مساکین کی دستگیری کی۔ انہیں کھانے کھلائے
گئے۔ لباس پہنائے گئے۔ اور اطمینان کے ترانے بجائے
گئے۔

جنگ کمپوسٹیلہ

لیون کی تباہی ہولناک تھی ۔ شاہ لیون نے آگ چلائی تھی مگر اسے تاب نہ سکا ، منصور کی یلغار کے سامنے فرار ہوا اور کمپوسٹیلہ میں جا ٹھہرا ۔ یہ شہر فرانس کی سرحد کے قریب واقع تھا ۔ اور اب تک یہاں کسی مسلمان کا قدم نہ آیا تھا ۔

شاہ لیون کمپوسٹیلہ میں بیٹھا سازشوں کے گھوڑے دوڑا رہا تھا ۔ عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسا رہا تھا ۔ اور حالات کو خوفناک سے خوفناک تر بنا رہا تھا ۔

کمپوسٹیلہ کا شہر عیسائیوں کے نزدیک ایک مقدس مقام تھا ۔ یہاں حضرت عیسےٰؑ کے ایک حواری یعقوب کا مزار تھا ۔ جس کی حرمت و عزت عیسائیوں کا دین و ایمان تھا ۔ یہ مزار عیسائیوں میں بے حد مقدس اور محترم تھا ۔

منصور کو شاہ لیون کی سازشوں کا علم ہوا ۔ تو اس نے اسے سزا دینے کا ارادہ کیا ۔ قرطبہ میں جہاد کا اعلان کرایا ایک بڑی

فوج ساتھ لی اور قوریہ کے راستے پرتگال کی حدود میں داخل ہو گیا۔ ان دنوں پرتگال اسلامی مقبوضات کا ایک حصہ تھا۔ اور یہاں کے عیسائی اندلس کے امیر کو اپنا بادشاہ تصور کرتے تھے۔

پرتگال سے منصور نے یہاں کے عیسائی سرداروں اور ان کی فوجوں کو ساتھ لیا۔ دریائے دویرہ پر قرطبہ کا بحری بیڑا بھی ان سے آملا۔ یہ جہاز اسلامی مجاہدوں کو لے کر قرطبہ سے آئے تھے۔ انہیں جہازوں سے دریائے دویرہ کو پار کیا۔ اور یلغارِ تیز رفتار سے آگے بڑھے۔ اسلامی فوجیں نعرے لگاتی، فتح کے جشن مناتی، ظفر کے پرچم اڑاتی بڑھتی گئیں۔ ابھی کمپوسٹیلہ دور ہی تھا۔ کہ منصور کو ایک سازش نے چوکنا کر دیا۔

سازش یہ تھی۔ کہ پرتگال کے عیسائی جو منصور کی فوج میں شامل تھے۔ وہ اب اپنے عیسائی بھائیوں سے نہیں لڑیں گے بلکہ یوں ہو گا۔ کہ جب مسلمان فوجیں درہ طیلوش پہنچیں۔ تو سامنے سے شاہ لیون حملہ کرے اور پیچھے سے پرتگال کی عیسائی فوجیں حملہ کر دیں۔ اور دونوں مل کر مسلمانوں کو درمیان میں رکھ کر قتل کر دیں۔

یہ سازش پختہ ہو چکی تھی۔ صرف تاریخ کے تعین کا فیصلہ باقی تھا۔ درہ طیلوش سامنے تھا۔ اور آنے والا وقت درے کی دشوار گزاری سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ منصور سوچ رہا تھا

کہ اس سازش سے کس طرح عہدہ برآ ہو۔ آخر اس نے اپنے ایک سردار کو حکم دیا۔ کہ درے کی حفاظت سے غافل نہ ہو۔ رات بھر پہرہ دار اپنا دستہ لئے درہ کی حفاظت میں مصروف رہا۔ مگر اسے کوئی نئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

سردی کا موسم تھا۔ برف سے درہ اٹا پڑا تھا۔ آسمان سے برف کے گالے دھنکی ہوئی روئی کی طرح برس رہے تھے۔ بارش نے درہ کو اور بھی ناقابل عبور بنا دیا تھا۔ سردی شدید تھی۔ جسم کانپ رہے تھے۔

یہ سردار رات بھر منتظر رہا۔ مگر اسے درہ میں کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ صبح ہونے لگی۔ تو ایک بوڑھا نظر پڑا۔ جو اپنا گدھا ہانکے درہ عبور کر رہا تھا۔ سردار نے اسے روکا۔ پکڑا اور منصور کی خدمت میں حاضر کر دیا۔

منصور نے تلاشی لینے کا حکم دیا۔ بوڑھے کے کپڑے دیکھے گئے۔ کچھ نہ ملا۔ گدھے کا پالان دیکھا۔ تو اس میں سے ایک خط نکل آیا۔ یہ خط سازش کا خط تھا۔ اس میں سازش کی تفصیل اور سازشی سرداروں کے نام درج تھے۔

منصور نے ان سرداروں کو بلایا۔ اور سازش کے الزام میں بوڑھے سمیت حوالہ تیغ بے دریغ کیا۔ کھٹکا ختم ہوا۔ سازش کا دھڑکا، بے وفائی اور غداری کا خطرہ ٹلا۔ تو فوج آگے بڑھی

سرسبز شاداب میدان اور ہرے بھرے کوہ پارے عبور کئے، بیونہ میں عیسائیوں نے مقابلہ کیا۔ مگر جلد ہی کائی کی طرح چھٹ گئے۔ بیونہ فتح ہوگیا۔ تو اسلامی فوجیں شنت بلا یہ پہنچیں۔ اس پر قبضہ کیا۔ اور دریائے بلہ کو عبور کر کے ایریا پر رکے۔ اس شہر میں بھی عیسائی فوجوں نے راستہ روکا۔ مگر اسلامیوں کا مقابلہ نہ کرسکیں۔ منصور نے ایریا کو فتح کرلیا اور پورے شہر کو زمین بوس کردیا۔ ایک عمارت بھی ایسی نہ چھوڑی۔ جسے دشمن استعمال کرسکے۔

ایریا کے بعد کمپوستیلہ کی باری آئی۔ عیسائی افواج یہاں کثرت سے جمع تھیں۔ شہر کے میدان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان لڑائی ہوئی دونوں طرف سے بہادروں نے داد شجاعت دی۔ تلواروں کی چمک سے میدان میں بجلیاں چمک اٹھیں۔ نعرے لگ رہے تھے۔ اللہ اکبر کی آوازوں سے عیسائیوں کے دل دھڑک دھڑک جاتے تھے۔ وہ ناقوس بجاتے اور ڈھول پیٹتے تھے۔ شراب ناب سے مست ہو ہو کر حملے کرتے تھے، مگر مسلمانوں کی تلواریں ان کا نشہ فوراً ہرن کردیتی تھیں۔ نیزوں سے ان کے پیٹ پھٹتے تھے۔ تو شراب کے مٹکے بہ جاتے تھے۔ میدان میں اس قدر بدبو پھیلی تھی۔ کہ مجاہدوں کو منہ پر ڈھاٹے باندھنے پڑتے تھے۔

غرض مجاہد عسائیوں کو دیلتے، دھکیلتے، ریلتے، مارتے کاٹتے، لئے جاتے تھے۔ عیسائیوں کی نئی نئی فوجیں آتیں تلوار کی دھار آزماتیں اور بھاگ بھاگ جاتیں۔

جب شاہ لیون نے یہ حال اور اپنی فوجوں کا یہ مآل دیکھا تو گھبرایا۔ بھاگا، کمپوستیلہ سے فرار ہوا۔ کٹتے، مرتے عیسائی پہلے ہی بے دم ہو رہے تھے۔ وہ بھی بھاگے، اسلامی مجاہدوں نے تعاقب کیا۔ اور دور تک مارتے، کاٹتے چلے گئے۔ ہزاروں عیسائی مارے گئے۔ لاشوں سے میدان بھر گیا۔ خون سے میدان جنگ میں کیچڑ ہو گیا۔ بھاگنے والے پھسل پھسل کر گرے۔ اور گھوڑوں کے سموں میں کچلے گئے۔

شام تک ایک بھی زندہ عیسائی وہاں نہ تھا۔ لاشیں بھاگنے والے ساتھیوں کا ماتم کر رہی تھیں۔ ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرتی ہوئی گزر رہی تھی، سردی بڑھ رہی تھی۔ مگر میدان میں ابھی تک گرمی تھی۔ تازہ خون، بہتا ہوا لہو، نزع کی کیفیات گرمی کے کئی سامان تھے۔

منصور نے کمپوستیلہ پر قبضہ کر لیا۔ یعقوب حواری کی قبر پر پہرہ لگا۔ اور باقی شہر کو پیوند زمین کرنے کا حکم دے دیا۔ مجاہد شہر میں گھس گئے۔ اموال غنیمت جمع کئے۔ محلات و مکانات کو نذر آتش کیا۔ فصیل اور قلعہ کو گرایا۔ اور اس طرح کمپوستیلہ کا شہر بے نام د

نشان کر دیا۔

یہ ایک بڑی مہم تھی۔ جسے منصور کے طاقتور ہاتھوں نے سر کیا۔ جب وہ واپس قرطبہ کو چلا۔ تو سارے اندلس کی آنکھیں اس کے راستے میں بچھی جاتی تھیں۔ اس پر پھول برسائے جاتے تھے، اس کی زندگی کے لئے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ اس کے عظیم کارناموں کی داد دی جاتی تھی۔ اس کی تعریف میں قصاید پڑھے جاتے تھے۔

منصور کی کامیاب آمد پر قرطبہ میں اس قدر جشن منائے گئے کہ قرطبہ جشنوں کا شہر بن گیا۔ مبارک سلامت کے وہ ڈونگرے برسے کہ دلوں کی مایوسیاں ختم ہو گئیں۔ اور نئے ولولے جنم لے کر پروان چڑھنے لگے۔

غیرتِ اسلامی

ابن ابی عامر منصور کی داستان عروج حیرت فزا ہے۔ ایک معمولی درجے کا آدمی اتنا اونچا کیسے چلا گیا؟ اور جب وہ بلندی کے انتہائی نقطہ پر پہنچا، تو بھی اسلام کا خادم اور مسلمانوں کا محافظ رہا۔ مسلمان جیا اور مسلمان مرا۔ اس نے اپنی حیات میں پچاس لڑائیاں لڑیں جن میں سے ہر ایک صلیبی لڑائی تھی۔ ہر ایک میں اسلام اور عیسائیت کی ٹکر تھی، ہر ایک میں ہلال و صلیب کا مقابلہ تھا۔ مگر منصور نے اپنی زندگی بھر اسلام کا ہلالی پرچم ہمیشہ بلند رکھا۔ عیسائیوں نے جتنی بار اس چٹان سے ٹکر ماری۔ اپنا سر پھوڑ کر پیچھے ہٹے، منصور کی تیغ آبدار جب بھی چمکی۔ عیسائی حکمرانوں کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔

نبرہ ایک عیسائی ریاست تھی۔ جو منصور کی باجگزار تھی۔ ہر سال خراج ادا کرتی تھی۔ اور ہمیشہ وفاداری کا دم بھرتی تھی۔ ایک دفعہ منصور کے سفیر دورہ پر نکلے۔ اس ریاست میں پہنچے۔

حکمران سے ملے، سفارتی امور انجام دیئے، سیر و سیاحت کا خیال آیا۔ تو ساری ریاست میں گھومے پھرے۔ عیسائیوں کے گرجوں میں گئے، ان کے انتظامات کا جائزہ لیا۔

ایک گرجا میں پہنچے۔ تو وہاں ایک عورت دیکھی جو عیسائی نہ تھی۔ لونڈی بنی گرجے کی خدمت میں مصروف تھی۔ راہبوں اور راہبات کی خدمت گزار تھی۔ اسے ڈری، سہمی دیکھا۔ تو سفیروں نے پوچھا۔

بہن! تم کیوں غمگین و اداس ہو۔ گرجے میں تو بڑی چہل پہل رہتی ہے۔ مگر تم غم و الم کی تصویر بنی ہو؟

"میرا قصہ دردناک اور اندوہ افزا ہے۔ نہ پوچھو تو اچھا ہے" عورت نے جواب دیا۔

کیا تم عیسائی نہیں ہو؟

نہیں! میں کیوں عیسائی ہونے لگی؟ گرجے کے پادری نے بہت دفعہ ایسا کہا ہے۔ بلکہ مجھ پر سختی بھی کی ہے۔ مگر میں اپنا مذہب کیسے چھوڑتی!

پھر تمھارا مذہب کیا ہے؟

میں مسلمان ہوں!

مسلمان اور گرجا میں کیا تعلق ہے؟

لونڈی ہر جگہ لونڈی ہے۔ گرجا ہو یا ہیکل،

مسلمانوں کی اتنی عظیم حکومت موجود ہے۔ تم وہاں کیوں نہیں چلی گئیں؟

"لونڈی کو کون جانے دیتا ہے۔ میں مجبور ہوں۔ یہ فرض تو اسلامی حکومت کا ہے۔ کہ مسلمانوں کی حفاظت کرے، انھیں غیروں کی غلامی سے بچائے"

"اندلس کا عظیم فرمانروا منصور تمھاری مدد کو آئے گا۔ اسے جب معلوم ہوگا۔ تو اسلامی غیرت اسے چین نہ لینے دے گی"!

سفیر واپس آئے۔ نبرہ کے حالات سنائے، مظلوم مسلمہ کا ذکر کیا!

منصور نے پوچھا۔ کیا یہ صحیح ہے۔ کہ میری زندگی میں کوئی مسلمان غلامی کی زندگی سے دوچار ہے!

سفیروں نے اثبات میں جواب دیا۔ منصور کی اسلامی غیرت نے جوش مارا، اسی وقت فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ خود ہتھیار لگائے، اور گھوڑے کی پیٹھ پر جم گیا۔ باگیں اٹھائیں۔ اور نبرہ کی راہ لی۔ سرحد میں داخل ہوا، تو نبرہ کی فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین کا چمڑا اُدھڑ گیا۔ تلواروں کی چمک سے حکمران کی آنکھیں چندھیا گئیں، تخت سے اٹھا۔ تحائف لئے، اور پیادہ پا، خادمان باوفا کی طرح حاضر

خدمت ہوا۔ زمین خدمت چومی، تحائف پیش کئے، ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا کہ غلام سے کیا گناہ سرزد ہوا، ہم تو حضور کے وفادار اور خراج گزار ہیں؟

منصور نے چلا کر کہا۔ تم نے وعدہ کیا تھا۔ کہ تمھاری ریاست میں کوئی مسلمان قیدی نہ ہوگا۔ مگر اب تمھارے فلاں گرجے میں ایک مسلمان عورت لونڈی کی حیثیت سے رکھی گئی ہے!

حاکم نبرہ نے فوراً اس عورت کو منگوایا اور بہت سا روپیہ دے کر منصور کے حوالے کر دیا۔ پھر اس گرجے کو پیوند خاک کیا۔ اور منصور کے غضب سے بے باک ہوا۔

جنگ زلاقہ

ابن ابی عامر المنصور فوت ہوئے۔ تو گویا اندلس یتیم ہو گیا۔ وہ طاقتور بازو اور فولادی پنجہ ہٹ گیا۔ تو اندلس میں طوائف الملوکی پھوٹ پڑی۔ مسلمان حکمران آپس میں ایسے الجھے۔ کہ مشترکہ دشمنوں سے بھی بے نیاز ہو گئے۔ ان کی آپس کی نااتفاقی اور سر پھٹول سے عیسائیوں کے حوصلے بڑھے۔ اور انھوں نے پچاس سال کے عرصے میں ایک ایک مسلم حکمران کو نیچا دکھایا اور اپنا اقتدار منوایا۔ قریباً ہر شہر سے خراج وصول کیا۔ اسی پر بس نہ کی بلکہ مسلم ریاستوں میں مار دھاڑ اور تاخت و تاراج بھی شروع کر دی۔ کبھی کسی ریاست پر چڑھ آتے، کبھی کسی کو لوٹ لیتے۔ مردوں کو آب شمشیر پلاتے، روتی چیختی چلاتی عورتوں کو ہنکاتے، اپنے علاقے میں لے جاتے، ان سے غیر انسانی سلوک کرتے اور اپنی لونڈیاں بناتے، اندلس کی زمین مسلمانوں کی عزت و آبرو کا بازار بن گئی، مفلسی اور ناداری ہر طرف ناچنے لگی

زندگی دشوار ہوگئی، زیست گراں بار ہوگئی۔ ذلت و مسکنت گردن کا ہار ہوگئی، کیا کریں! کہاں جائیں! کدھر بڑھیں؟ کیسے بچیں؟ کہاں چھپیں؟ زمین سخت، آسمان دور، فاتح، مفتوح، غالب، مغلوب!

عیسائی بھیڑئے الفانسو کی قیادت میں آتے، جدھر چاہتے بڑھتے، لوٹتے، مارتے، کاٹتے، وندناتے، پھیلتے، سیم و زر کے گٹھڑ بناتے، عورتوں کے ریوڑ ہنکاتے اور واپس چلے جاتے۔ ایک غول جاتا، تو دوسرا بڑھ آتا، دوسرا پلٹتا تو تیسرا جھپٹ پڑتا، جینا حرام، اطمینان ختم، زندگی ان بھیڑیوں کے جبڑوں میں چیختی، آہیں بھرتی، پھڑپھڑاتی، تڑپتی اور ختم ہوجاتی۔

اندلس کے علماء، حکما، فقہا اس صورت حال سے پریشان و ہراساں ہوئے۔ صبح امید کی روشنی کی جستجو میں نکلے، بحیرہ روم کی موجوں پر پھسلے اور ساحل افریقہ سے آلگے۔ امیر یوسف کے دربار میں پہنچے۔ اپنی بپتا سنائی، مسلمانوں کی بے بسی رو رو کر بتائی عیسائیوں کے ظلم و ستم بیان کئے۔ اور خدا کے نام پر مدد کے لئے پکارا۔

امیر یوسف کی آنکھیں آنسوؤں میں بھیگ گئیں، اس نے بھرائی ہوئی آواز میں لبیک کہا۔ جہاد کا اعلان کیا، بربری مجاہد ہتھیار لگا کر فوراً آن پہنچے۔ ساری چھاؤنی میں ہتھیار بجنے لگے، تکبیر کے نعرے

گونجے، سمندر کی موجیں اٹھ اٹھ کر دیکھنے لگیں۔ فوجیں جہازوں میں سوار ہوئیں اور جزیرۃ الخضرا میں آ اتریں۔ تعداد پوچھیے تو صرف سترہ ہزار مجاہد۔ پانچ ہزار کو یہیں چھوڑا، بارہ ہزار کو ساتھ لیا، ساحل کو الوداع کہی اور خدا کا نام بلند کرنے کا عزم لے کر چل پڑے۔ اشبیلیہ پہنچے۔ تو معتمد نے استقبال کیا۔ اپنے محل میں لے گیا، فوج نے شہر سے باہر چھاؤنی ڈال لی۔ چند دن میں اندلسی حکمرانوں کی پانچ ہزار فوج بھی آ پہنچی۔ اب کل سترہ ہزار مجاہد تھے جنھیں الفانسو سے دو دو ہاتھ کرنا تھے۔

اس زمانہ میں الفانسو سرقسطہ کو گھیرے ہوئے تھا، اور اپنا محاصرہ تنگ سے تنگ تر کئے جا رہا تھا۔ امیر یوسف کے آنے کی اطلاع پائی۔ تو محاصرہ اٹھایا۔ اور طلیطلہ میں ڈیرہ لگایا، اپنے زیر حکومت علاقوں میں قاصد دوڑائے۔ ہر سردار کو فوج بھیجنے کا حکم دیا۔ پادریوں نے انجیل اٹھائی، بستی بستی پہنچے مقدس جنگ کے نام پر عیسائیوں کو اکسایا، مسیح اور مریم کا واسطہ دیا "بیٹے" کے داہنے ہاتھ بیٹھنے کا مژدہ سنایا۔ روح القدس کی مدد کا یقین دلایا، بہشت کی سندات تقسیم کیں۔

سارے ملک میں ہتھیار بجے، گھوڑوں پر زین کسے، طلیطلہ کی راہ لی۔ اور الفانسو کے جھنڈے تلے، ساٹھ ہزار کا لشکر عظیم جمع ہو گیا۔ وہ بڑی شان سے طلیطلہ سے نکلا اور زلاقہ کی طرف

بڑھا۔ امیر یوسف کی فوجیں یہیں اس کی منتظر تھیں۔
الفانسو نے امیر کے مقابل اپنا لشکر اتار دیا۔ مسلمانوں کا تھوڑا سا لشکر دیکھا۔ تو اطمینان کا سانس لیا۔ خیمے، ڈیرے لگ گئے۔ الفانسو تخت پر بیٹھا، امرا و وزرا کرسیوں پر براجمان ہوئے، نامہ بر آپہنچا، امیر یوسف کا نامہ بر، سربمہر خط پیش کیا۔ الفانسو نے مہر توڑی، خط پڑھا، لکھا تھا "مسلمان ہو جاؤ یا جزیہ دو اگر یہ منظور نہ ہو تو لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"
الفانسو نے خط پڑھا۔ تو اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ ماتھے پر بل پڑ گئے، بھوئیں تن گئیں۔ منہ سے جھاگ نکل پڑا۔ جواب میں لکھا:۔
"یہ اندلس ہمارا ہے، سارے مسلمان حکمران ہمارے باج گزار ہیں، ہماری سیادت اور طاقت کا لوہا مانتے ہیں۔ ہماری تلواریں تمھیں اس گستاخی کا مزہ بہت ہی جلد چکھا دیں گی"
امیر یوسف نے اسی جواب کے نیچے ایک سطر لکھ دی:۔
"جو کچھ وقوع میں آئے گا۔ تمھاری آنکھیں اسے دیکھ لیں گی"
سوموار "روز جنگ" منتخب ہوا۔ اور امیر نے اس کی منظوری دے دی۔ معتمد نے کہا۔ "الفانسو عیار، مکار، دغا باز اور فریب

ساز ہے۔ اس کی باتوں پر نہ جائیے"۔ مگر یوسف نے کہا "ہم وعدہ کر چکے ہیں، ہمیں خدا پر بھروسہ ہے۔ ہم اپنا وعدہ پورا کریں گے، خدا ہماری مدد کرے گا"۔

امیر یوسف نے اندلسی فوج کو آگے رکھا۔ اور اپنی فوج پیچھے رکھی۔ سوموار کا انتظار تھا، مگر الفانسو بے حد مکار تھا اس نے جمعہ ہی کے دن طبل جنگ بجا دیا۔ اور اپنی فوج کو حملے کا حکم سنا دیا۔

ساٹھ ہزار عیسائی تلواریں تولتے، نیزے ہلاتے، برچھے چمکاتے بڑھے، اندلسی فوج نے ان کے حملے کو روکا، مگر پانچ ہزار اور ساٹھ ہزار کا مقابلہ آسان نہ تھا، الفانسو کی فوج نے اندلسی فوج کو دبا لیا۔ معتمد نے اپنے سپاہیوں کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو امیر یوسف سے مدد مانگی۔ انھوں نے چھ ہزار فوج بھیج دی۔ لڑائی ہوئی اور گھمسان کی ہوئی۔ بربری گو تعداد میں کم تھے مگر بڑا ہی کے دم خم تھے۔ کہ اپنے سے دس گنا فوج کے مقابل ڈٹے ہوئے تھے وہ عیسائیوں پر بازوں کی طرح حملے پر حملہ کرتے تھے، جھپٹتے تھے، ہٹتے تھے اور پھر پلٹ کر جھپٹتے تھے، عیسائی کٹتے تھے، ہٹتے تھے۔ اور پھر بڑھ آتے تھے۔ ساٹھ ہزار دشمنوں کا کاٹنا آسان نہ تھا۔ لڑائی زوروں پر تھی، گھمسان کا رن پڑا تھا۔ نعرے لگ رہے تھے، بہادر بڑھ رہے

تھے اور بزدل ہٹ رہے تھے۔

امیر یوسف نے چھ ہزار فوج کو اپنے ساتھ لیا۔ ایک لمبا چکر کاٹا، الفانسو کی فوج پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس پھرتی اور تیزی سے کیا گیا۔ کہ الفانسو کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے اپنی فوج کا دل بڑھانے کے سینکڑوں جتن کئے، ہزاروں حیلے آزمائے، مگر چکی کے دو پاٹوں میں آکر اس کی فوج پستی ہی گئی۔ شام تک تیس ہزار سپاہی میدان میں کٹے پڑے تھے۔ خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ گھوڑوں کے سم لہو کے سیلاب میں ڈوب رہے تھے۔ مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو رہا تھا۔ مجاہد ہر حملے میں نعرۂ تکبیر لگاتے اور دشمنوں کے دل ہلا دیتے، عیسائیوں کے پاؤں اکھڑ اکھڑ جاتے، مگر بھاگنے کا رستہ نہ پاتے، اور ناچار کٹ کٹ جاتے،

الفانسو کی خوشی غم میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اپنے خیمے میں اداس بیٹھا تھا، نیا مکر اور حیلہ سوچ رہا تھا۔ کہ ایک مسلمان مجاہد یہاں بھی آپہنچا، اس نے الفانسو کی کمر میں اپنا خنجر بھونک دیا۔ محافظ دستے نے مجاہد کو گھیر لیا۔ اور اپنے ادھموئے بادشاہ کو اٹھا کر کھسک گیا۔ اس کے ساتھ ہی عیسائی فوج نے فرار پر کمر باندھی وہ بھاگ رہی تھی، اور مجاہد اسے مارتے، کاٹتے، دباتے جا رہے تھے۔ اسی تعاقب میں دس ہزار عیسائی اور کھیت رہے رات کی

سیاہی بڑھ گئی، آنکھوں پر سیاہی کی تہیں جمنے لگیں، دوست دشمن میں تمیز مشکل ہو گئی، راستے دھندلے پڑ گئے۔ بھگوڑے عیسائیوں کا تعاقب مشکل ہو گیا۔ طبل بازگشت بجا اور سپاہی اپنے پڑاؤ پر واپس آ گئے۔

رات گزر گئی، دن چڑھا، روشنی پھیلی، میدان کیا تھا لاشوں کا شہر تھا، چالیس ہزار عیسائی سورمے کٹے پڑے تھے، سارے میدان میں سرخ قالین بچھے ہوئے تھے۔ میدان جنگ لالہ زار کو مات کر رہا تھا۔

امیر یوسف نے حکم دیا۔ میدان میں سے سونے چاندی وغیرہ کی قیمتی چیزیں اٹھا لو۔ چنانچہ ایسے قیمتی اموال کے ڈھیر لگ گئے۔ امیر یوسف نے یہ سب مال غنیمت معتمد کے حوالے کر دیا۔

ابھی اس فتح کے شکرانے کے نوافل بھی ادا نہ ہوئے تھے کہ افریقہ سے قاصد پہنچا۔ اور خبر دی کہ امیر کا جوان بیٹا خدا کو پیارا ہو گیا، امیر یہ سنتے ہی افریقہ کو چل دیا۔ اور تین ہزار سپاہی معتمد کی مدد کے لئے چھوڑ گیا۔

محاصرہ حصن الیطہ

امیر یوسف کی واپسی سے عیسائیوں کے سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ وہ پھر سے اندلس پر بڑھنے کی تیاریاں کرنے لگے الفانسو کے زخم کئی مہینے تک ہرے رہے جسم کے زخم بھر گئے تو دل کے زخم کھل گئے۔ انتقام کی آگ سے سینہ پھنک گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اندلس کے موجودہ حکمراں نکمے اور عیاش ہیں۔ تلوار کے نام سے گھبراتے ہیں۔ میدان جنگ میں پیٹھ دکھاتے ہیں۔ خراج دے کر اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔

زلاقہ کی فتح کا اثر بہت جلد زایل ہو گیا۔ عیسائیوں نے کوئی بڑی لشکر کشی تو نہ کی۔ مگر بارہ ہزار کی جمعیت سے حصن الیطہ کو اپنا مستقر بنا لیا۔ اور ارد گرد کے اسلامی علاقوں کو پامال کرنے لگے۔

حصن الیطہ ایک مضبوط قلعہ تھا۔ جس کی فصیل بہت اونچی اور مضبوط تھی۔ یہ فصیل پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں کاٹ کاٹ کر بنائی

گئی تھی۔ اور ایسے مسالہ سے انھیں جوڑا گیا تھا۔ کہ یہ فصیل بجائے خود ایک سلسلہ کوہ بن گئی تھی۔

الیط کے مستقر سے عیسائی فوجیں نکلتیں، ہتھیار بجاتیں، المریہ الورقہ اور مرسیہ کے علاقوں میں پھیل جاتیں۔ جو سامنے آتا اسے کاٹ کر ڈال دیتیں، گھر بار لوٹ لیتیں، عورتیں ہنکاتیں اپنے قلعہ میں لے جاتیں۔ ان سے خوش فعلیاں کرتیں اور پھر عیسائی ریاستوں میں بیچ کر دام کھرے کر لیتیں۔

یہ عیسائی چند دن قلعہ میں بیٹھ جاتے۔ اپنی شیطنت کا رد عمل دیکھتے، جب خاموشی اور صبر کے سوا کچھ نہ پاتے تو پھر غول کے غول قلعہ سے نکل آتے لوٹتے، مارتے، کاٹتے عورتوں کو ہنکاتے اور اپنے قلعہ میں لے جاتے۔ رفتہ رفتہ ان کی شوخی اتنی بڑھی کہ انھوں نے المریہ، الورقہ اور مرسیہ کے قلعوں پر سنگ باری شروع کر دی۔ اہل قلعہ دروازے بند کر لیتے تو یہ ان کی فصلیں کاٹتے، اور لے جاتے۔ جس بستی کو چاہتے جلا دیتے جہاں چاہتے قتل عام کا آغاز کر دیتے۔

ان کے ظلم وستم سے تنگ آکر مسلمانوں کے خاندان کے خاندان اندرون ملک کو بھاگنے لگے۔ غرناطہ، اشبیلیہ اور طلیطلہ کے بادشاہ بھی ان کے منہ نہ آئے۔ مسلمانوں پر ظلم وستم

کی کہانیاں سنتے، مگر کچھ کرنے کا حوصلہ نہ پاتے۔

آخر ان بادشاہوں نے پھر سے امیر یوسف سے مدد کی درخواست کی۔ وہ مسلمانوں کی مظلومیت پر کڑھے اور ایک بار پھر اندلس کے ساحل نے ان کے قدم چومے۔ اشبیلیہ غرناطہ اور طلیطلہ کی فوجیں ان کی مدد کو آئیں۔ وہ انھیں لے کر حصن البیطہ پر بڑھے۔ عیسائی قلعہ بند ہو گئے، امیر یوسف کے اٹھے ہوئے قدم فصیل نے روک لئے، انھوں نے حصن البیط کے گرد اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ پورے چار مہینے قلعہ کا محاصرہ جاری رہا۔ بارہ ہزار میں سے گیارہ ہزار نو سو عیسائی بھوک پیاس سے قلعہ کے اندر ہی مر گئے۔ مگر قلعہ نہ کھولا۔ نہ مصالحت کے لئے ہاتھ پھیلائے۔

امیر یوسف نے دیکھا۔ کہ ان لٹیروں کو اپنے کئے کی سزا مل چکی ہے۔ تو محاصرہ اٹھا دیا۔ اور واپس آ گئے۔ الفانسو نے بھی سنا، میدان خالی دیکھا۔ اٹھارہ ہزار فوج کے ساتھ اہل قلعہ کی مدد کو آیا۔ قلعہ سنسان تھا۔ صرف ایک سو ادھموئے جسم تھے۔ جن کے بدن میں سانس کی آمد و رفت جاری تھی۔ قلعہ میں اتنی بدبو تھی۔ کہ اس کے قریب جانا مشکل تھا۔ الفانسو نے ان نیم مردہ سو آدمیوں کو نکالا اور قلعہ میں آگ لگا دی۔

الفانسو کی آمد کی خبر امیر یوسف نے سنی تو فوج لے کر راستے پر آجمے۔ الفانسو کو پچھلی شکست یاد تھی۔ جونہی اسے معلوم ہوا کہ امیر یوسف راستہ رد کے کھڑے ہیں۔ اس نے اپنا راستہ بدلا۔ اور راتوں کی خاموشی میں دبے پاؤں نکل کر اپنی ریاست میں جا پہنچا۔

امیر کو معلوم ہوا تو انھوں نے اندلس کی سرحدوں پر گشت کی، فوجی مشقیں کیں۔ اپنی طاقت کا اظہار کیا۔ نعرے لگے اسلام کے پرچم لہرائے۔ اور بتا دیا کہ اندلس کے مسلمان گئے ہیں تو ہوا کریں۔ دنیا میں ابھی مسلمان زندہ ہیں اسلام زندہ ہے۔ اور زندہ رہے گا۔

ولی سیڈ کے کارنامے

تعصب نے عیسائیوں کو اس درجہ اندھا کر دیا۔ کہ ان میں نیکی، بدی کی تمیز بھی نہ رہی۔ وہ مسلمان پر ظلم کو ظلم نہ سمجھتے تھے، جو شخص بھی اسلام کو نقصان پہنچائے، مسلمانوں کے مصائب میں اضافہ کرے۔ وہ ان کے نزدیک ولی اللہ ہے۔ ایسا ہی ایک آدمی صدیوں پہلے اندلس، پرتگال اور قشتالیہ والوں کا محبوب تھا، اس کے نام کے نعرے لگتے، اسے بہادر، عیسائیت کا خادم، مسیحؑ کا پیارا، خدا باپ کا لاڈلا مذہب کا محافظ سمجھا جاتا۔ حالانکہ یہ شخص بڑا ہی ظالم، مکار، عیار دغاباز، جعلساز تھا۔

سیڈ ایک لٹیرا تھا، رہزن تھا، ڈاکو تھا، قشتالیہ اپنے اس فرزند دلبند کے کردار پر خورسند نہ تھا۔ الفانسو ششم نے اس کو جلا وطن کر دیا مگر سیڈ کو ڈھیٹ سمجھیے یا جرأت مند کہ وہ مطلق نہ گھبرایا۔ قسمت آزمائی کے لئے چلا۔ اور سر قسطہ پہنچ گیا۔ سر قسطہ

پر مقتدر حکمران تھا۔ اس نے سیڈ کو ملازم رکھ لیا۔ یہاں اس نے اس قدر ترقی کی اور عروج حاصل کیا۔ کہ مقتدر کا سپہ سالار بن گیا۔ تیس سال تک ہمسایہ ریاستوں سے لڑتا اور ہر ایک کو خوب پریشان کرتا رہا۔ عیسائی ہونے کے باوجود عیسائیوں کو لوٹتا، مارتا، کاٹتا، روندتا گیا۔

سیڈ ایک ایسا شخص نہ تھا۔ جس کا ذکر کریں۔ اور اس کے کارنامے نہ بتائیں۔ جبکہ وہی ایک شخص تھا جسے وہاں کے ظالم بھی ظالم سمجھتے تھے۔ وہ اس قدر سنگ دل، ظالم، وحشی اور جلاد قسم کا انسان تھا۔ کہ جدھر رخ کرتا، انسانیت پناہ مانگتی وہ لہلاتے کھیت، اجاڑ دیتا، فصلیں تباہ کر دیتا، باغ ویران کر دیتا، بستیاں جلا دیتا، مرد، عورت، بچہ، بوڑھا، کمزور بیمار جسے پاتا، تلوار کے گھاٹ اتار دیتا۔

قشتالیہ پر بھی متعدد بار حملہ آور ہوا۔ اور یہاں بھی ہمیشہ اپنی سنگدلی اور خونخواری کا مظاہرہ کیا۔ الفانسو ششم اس سے اتنا تنگ ہوا۔ کہ اس نے اس انسان نما درندے سے مصالحت کر لینا ہی مفید سمجھا۔ چنانچہ اس نے بڑی لجاجت سے سیڈ کو بلایا۔ اس کی خوب آؤ بھگت کی۔ اس کی بہادری، شجاعت اور بے باکی، کی تعریف کی۔ اس کے ضبط کئے ہوئے اموال اور جاگیریں واپس کر دیں۔ اسے پنج ہزاری منصب عطا کیا اور کہا۔

"بہادر سیڈ! تم نے اب تک عیسائی ہونے کے باوجود مسلمانوں کے لئے کام کیا۔ اور اپنے ہم مذہب عیسائیوں کو لوٹا، مارا ہے اب یہ پانچ ہزار فوج لو اور عیسائیت کے دشمن مسلمانوں پر زندگی حرام کر دو"،

سیڈ نے فوج کو ساتھ لیا۔ اور اسلامی ریاستوں کو لوٹنے، جلانے اور تباہ کرنے لگا۔ اس نے بلنسیہ، شاطبیہ، طرطوشہ اور اریولہ پر آرام حرام کر دیا۔ وہ جب چاہتا۔ فوج لے کر نکلتا اور مسلمانوں ریاستوں پر بجلی بن کر گرتا۔ سرسبز و شاداب مقامات روندتا، کھیتیاں اجاڑتا، بستیاں جلاتا، مردوں کو قتل کرتا اور عورتوں کو ہانک کر لے جاتا۔ مصیبت کے مارے مسلمان اندرون ملک کی طرف بھاگتے، ریاستوں کے حکمران سیڈ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بے دست دپا پاتے، برشلونہ کے نواب نے اسے روکنے اور اسے سر راہ روکنے کی کوشش کی۔ مگر سیڈ نے ایسے داؤ پیچ کھیلے، کہ بچارہ نواب بے دست دپا ہو کر رہ گیا۔ اور آخر اطاعت پر مجبور ہو گیا۔ برشلونہ کے سقوط سے سیڈ کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اور وہ اپنے آپ کو بے تاج بادشاہ سمجھنے لگا۔ مشرقی اندلس کی اسلامی ریاستیں اسے اڑھائی لاکھ دینار خراج ادا کرتی تھیں۔ مگر پھر بھی اس کی شیطنت سے محفوظ نہ تھیں۔ اسے جب کبھی شیطانی دورہ پڑتا۔ اسلامی ریاستوں میں زلزلہ آجاتا۔

بچہ بوڑھا، کمزور بیمار، تندرست مرد، عورتیں الامان والحفیظ پکار اٹھتے۔ قتل وغارت اس کا مشغلہ تھا، لوٹ مار اس کا پیشہ تھا، جوان عورتوں کو بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہنکا لے جانے میں اسے مزہ ملتا تھا۔ اسے لہلہاتے کھیت جلانے، ہرے بھرے باغات اجاڑنے، آباد بستیوں کے کلیجے پھاڑنے میں لطف آتا تھا۔ انسانیت اس شیطان سے پناہ مانگتی تھی۔ مگر عیسائی اس کی تعریف میں قصیدے پڑھتے تھے۔ صرف اس لئے کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا اور ان کی حکومتوں کو کمزور کرتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگتا تھا، اسلامیوں کا خون بہاتا تھا، اور مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بناتا تھا۔

جب الفانسو کو غرناطہ کے نواح میں شکست ہوئی۔ تو رسوائی نے اسے اپنی گود میں لے لیا۔ اس نے سنا کہ سیڈ بلنسیہ میں موجود نہیں بلکہ سرقسطہ میں ہے۔ الفانسو نے اپنا غصہ نکالنے کے لئے بلنسیہ پر حملہ کر دیا۔ اور اسے محصور کر کے بیٹھ گیا۔ سیڈ کو پتہ چلا۔ تو ضبط نہ کر سکا اس نے اپنی فوج سے الفانسو کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ سیڈ آگ کا طوفان تھا۔ اس نے الفانسو کی قلمرو میں وہ تباہی مچائی۔ کہ انسانیت دنگ رہ گئی۔ اخلاق ششدر رہ گیا۔ عیسائیت کی روح بھی کانپ کانپ اٹھی۔ قتل وغارت کا ایسا سلسلہ شروع کیا۔ کہ نہ دیکھا نہ سنا،

کھیت، باغات، اجاڑے، جلائے، دیہات اور قصبے راکھ کا ڈھیر بنائے، شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ آبادیاں ویرانوں میں تبدیل کردیں۔ بڑے بڑے الاؤ جلائے۔ اور زندہ آدمی جلا ڈالے۔

الفانسو نے سنا تو پیچھے کو دوڑا، مگر اس وقت تک سیڈ بھاگ چکا تھا۔ الفانسو اگرچہ خود بڑا ظالم تھا۔ مگر اپنے ملک کی تباہی دیکھی تو اس نے سیڈ کو اپنے آپ سے بڑا ظالم مان لیا۔ سیڈ بلنسیہ پہنچا۔ تو شہر کے دروازے بند پائے۔ اس نے شہر کے بیرونی حصے جلا کر راکھ کر دیئے، مکانات مٹی کے ڈھیر بن گئے۔ محلات ملبوں میں تبدیل ہوئے۔ شہر کے باہر نہ کوئی درخت رہا نہ عمارت، نہ کوئی گرجا رہا نہ مسجد۔ چاروں طرف راکھ اور خاک اڑنے لگی۔

امیر یوسف کے نمائندوں نے بلنسیہ کے حالات سنے تو اپنی فوجیں آگے بڑھائیں۔ سیڈ نے دریا کے پل توڑ دیئے کنارے کھدوا دیئے اور دور دور تک کا علاقہ پانی کے سیلاب میں ڈوب گیا۔ امیر یوسف کی مدد بلنسیہ نہ پہنچ سکی۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ قحط نے شہر والوں کی کمر توڑ دی۔ مگر اس کے باوجود وہ ہار ماننے پر تیار نہ ہوئے۔

اب اس ظالم نے ظلم کا نیا طریقہ ایجاد کیا۔ اعلان کر دیا۔ کہ

جو لوگ شہر سے باہر نکل آئیں گے۔ انھیں کھانے پینے کو دیا جائے گا۔ بھوکے لوگ جب باہر آئے۔ تو اس نے فصیل کے قریب آگ میں ڈال ڈال کر انھیں بھون ڈالا۔ اس طرح ہزاروں آدمی آگ کی نذر کر دیئے۔

شہر کے لوگ اب تنگ آ گئے۔ آخر مذہبی آزادی پر مصالحت ہوئی۔ شہر کے دروازے کھلے۔ سیڈ نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ تمام مکانات و محلات لوٹ لئے۔ سونا، چاندی، مال اسباب جو کچھ ملا۔ غارت کیا۔ لوٹا، چھینا، مسلمانوں کا خون بہایا۔ شہر کے قاضی اور رؤسا کو اکٹھا کیا۔ آبادی کے درمیان ایک گڑھا کھدوایا اسے کانٹوں، چھریوں سے بھرا اور سب کو اٹھا کر اس میں پھینک دیا۔ پھر اس میں اور کانٹے بھرے، گڑھا بھر گیا۔ صرف ان لوگوں کے سر باہر رہ گئے۔ ظالم نے چاروں طرف ایندھن چنا اور آگ لگا دی۔ آگ بھڑکی شعلے بلند ہوئے اور ایندھن سمیت یہ لوگ آگ کے پیٹ میں بھسم ہو گئے۔

اب دوسرے درجہ کے مسلمانوں کی باری آئی۔ ظالم نے سب کو اکٹھا کیا۔ ان کے جسم سے گوشت کاٹا، اور آگ پر کباب بنائے۔ عورتوں کی سرعام آبرو لوٹی۔ انھیں اپنے ظالم سپاہیوں کا کھلونا بنایا۔ جب اس پر بھی چین نہ آیا۔ تو انھیں منڈی میں بھیج کر بکوایا۔ جو لوگ بچ گئے انھیں اپنا اور دوسرے

عیسائیوں کا لونڈی غلام بنایا۔

سیڈ کے ان مظالم کا چرچا ہوا۔ تو امیر یوسف کے ایک سپہ سالار ابن عائشہ سے نہ رہا گیا۔ وہ اپنی فوج لئے ہوئے ادھر بڑھا سیڈ کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ مسلمانوں سے بھیانک انتقام لے چکا تھا۔ ابن عائشہ کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ اپنی فوج کو لیس وپیش سے درست کیا۔ عیسائی ریاستوں کی فوجوں کو بھی ساتھ لیا۔ اور شاطبہ کے میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔

ابن عائشہ اس کے ظلم کی داستانیں سن چکا تھا۔ سیڈ کے ہاتھ سے بچے کھچے مسلمان اسے اپنی سر بیتی سنا چکے تھے۔ وہ غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا اس کا جی چاہتا تھا۔ کہ سیڈ ہاتھ آئے تو اس کی بوٹیاں چیل کوے کھائیں، کتے اس کی لاش کو بازاروں میں کھینچے پھریں۔ چیونٹیاں اس کے ایک ایک عضو کو چاٹیں۔ گدھ اس کے گوشت سے اپنے پوٹے بھریں۔

ابن عائشہ، شاطبہ پہنچا۔ تو سیڈ کو تیار پایا۔ اس نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ مجاہدوں نے مل کر اللہ اکبر کہا۔ تلواریں اٹھائیں، نیزے ہلائے، خنجر چمکائے، تیر چلائے۔ بازوں کی طرح جھپٹے، پلٹے اور پھر جھپٹے۔ کبھی اسے بڑھاتے، کبھی خود بڑھتے۔ ایک طرف سے ہٹتے تو دوسری طرف جا پڑتے، اس طرح

گھیر گھیر کر انھیں قتل کرتے تھے کہ اگر بلنسیہ کے شہید زندہ ہو کر دیکھتے تو مرحبا کے نعرے لگاتے۔

وہ رن پڑا، اتنا خون بہا، کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے، لہو کے دریا بہ گئے، میدان سرخ ہو گیا، گھوڑے خون میں نہا گئے مجاہدوں کے کپڑے لہو میں بھیگ گئے، تلواروں کی دھاروں سے خون کے چھینٹے ٹپک ٹپک پڑے۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ مجاہد خون کے دریا میں نہا رہے ہیں۔ سیڈ کی فوج کٹ گئی، مارنے والے مر گئے، کاٹنے والے کٹ گئے، تلوریں تلوار کی بھینٹ چڑھ گئے، سیڈ زخمی ہوا۔ بھاگا، بلنسیہ میں جا چھپا۔ اور سسک سسک کر کتے کی موت مرا۔

یہ تھا عیسائیوں کا ولی، مسیح کا نائب، عیسائیت کا محافظ جس کے گیت گاتے اب تک عیسائی نہیں شرماتے،

جنگ قشالیہ

امیر یوسف نے سو سال کی عمر پائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کا بڑا بیٹا علی مراکش کے تخت پر رونق افروز ہوا۔ اندلس کی حکومت پر علی کا چھوٹا بھائی تمیم حکمران ہوا۔ اگر علی باپ کا نقش ثانی تھا تو تمیم بھی ان سے کسی طرح کم تھا۔

تمیم بڑا بہادر اور پیدائشی جرنیل تھا۔ نئی حکومت اور کم سن حکمران دیکھ کر عیسائیوں کی رال ٹپکی۔ انہوں نے اسلامی حکومت کو ہڑپ کرنے کے لئے منہ کھولا۔ الفانسو نے ایک بڑی فوج تیار کی۔ عیسائی ریاستوں نے بھی اس کی مدد کی۔ اور اسلامی ریاستوں پر یلغاریں شروع کر دیں۔

تمیم بہادر باپ کا جیالا بیٹا تھا۔ الفانسو کی زیادتیوں پر بھڑک اٹھا۔ مسلمانوں کی بے کسی پر ضبط نہ کر سکا۔ سیڈ کے زخم اسے یاد تھے۔ بلنسیہ کے مظلوموں کے ساتھ جو کچھ عیسائیوں نے کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس کا تصور موجود تھا۔ وہ اسلامی غیرت وحمیت

کا پتلا اٹھا۔ اپنی فوج کو ساتھ لیا۔ اور سرقسطہ پر بڑھا۔ یہاں عیسائیوں نے بہتیرا زور مارا۔ مگر تمیم شیر کی طرح بڑھتا ہی گیا۔ اس نے سرقسطہ کو فتح کر لیا۔ اور قشتالیہ پر اپنی فوج کو بڑھایا۔

الفانسو نے فوراً اپنے بیٹے سینکو کو حکم دیا:۔

"بہادر بیٹے! بڑھو! اس نادان حکمران کو گرفتار کرو۔ مسلمانوں کو مارو، کاٹو اور ان کا خون پی جاؤ۔ اندلس ان سے چھین لو۔ خدا کے بیٹے کی رضامندی حاصل کرو"

فوج تیار تھی۔ گیل کانٹے سے لیس تھی، ہتھیاروں کے ذخائر موجود تھے۔ لشکر کی تعداد کافی تھی۔ سینکو اٹھا، فوج کی قیادت سنبھالی اور تمیم کی طرف بڑھا۔ ناقوس بجے، ڈھول پیٹے، لشکر میں صلیبیں تقسیم ہوئیں۔ پادریوں نے عیسائیوں کے جوش کو بڑھایا۔ جیسنان قشتالیہ نے فوج کا خون گرمایا۔ شراب کے ساغر چلے، مٹکے اور سبو گھوڑوں پر لدے۔

سینکو کی فوج گھوڑوں پر سوار ہوئی، تلواروں کو بوسے دیئے، مسلمانوں کو صفحۂ اندلس سے مٹا دینے کا عہد ہوا۔ الفانسو اندلس کی حکومت کے خواب دیکھنے لگا، سینکو کی جنگجوئی اس کے خواب کی تعبیر تھی۔ اسے کامل یقین تھا۔ کہ سینکو مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دے گا اور تمیم کا سر کاٹ لائے گا۔

قشتالیہ دور رہ گیا۔ سینکو لشکر لئے دور نکل آیا۔ مجاہدوں نے

گرد اڑتی دیکھی، دور، بہت دور بگولہ سا نظر آیا۔ یہ بگولہ قریب آتا گیا۔ آسمان پر غبار چھا گیا۔ گرد کے طوفان سے عیسائی لشکر نمودار ہوا۔ عمدہ اور مضبوط گھوڑوں پر سوار، برہنہ تلواریں ہاتھ میں، نیزوں کی چمکتی سنانیں سورج کی روشنی میں کرنوں سے ملتی ہوئی، جوش و خروش کی تصویر، شجاعت کے خوابوں کی تعبیر مجاہدوں میں ٹھہر گئے۔

سیفکو نے اپنا لشکر اتارا، خیمے، ڈیرے لگائے، رات کے کھانے پکائے، بے فکری سے کھائے، اور رقص و نغمہ سے اپنے دل بہلائے، رات نے دونوں لشکروں کی تیاریوں پر پردہ ڈال دیا۔ مجاہدوں نے عشا کی نماز پڑھی۔ رات تاریک تھی، بہت تاریک، ستاروں کی روشنی زمین تک نہ پہنچتی تھی۔ زمین کی سطح سیاہی کے سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی، تمیم نے فوج کے ایک دستے کو نکالا۔ ایک بڑا چکر کاٹا، اور دشمن کے لشکر کے پیچھے چھپا دیا۔

صبح ہوئی۔ اذان کی آواز بلند ہوئی، مجاہدوں نے نماز پڑھی تھی کہ سیفکو نے طبل جنگ بجوایا، حملے کے لئے فوج بڑھائی آپ پیچھے کھڑا ہوا، حفاظتی دستے کو اپنے گرد پھیلایا۔

مجاہدوں نے نعرۂ تکبیر لگایا، خدا کی حمد و ثنا کا گیت گایا، بڑھے دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی۔ دونوں فوجیں مل گئیں، تلوار نے اپنا منہ

کھولا، نیزے سے اپنی زبان بڑھائی، گوشت کے پرزے اڑنے لگے، لہو کے پرنالے بہنے لگے، بازو کٹ کٹ کر گرنے لگے، سر ناریل کی طرح لڑھکنے لگے نعرہ تکبیر بلند ہوتا گیا۔ مجاہد بڑھتے گئے، دوپہر ہونے آئی۔ آفتاب نے گرمی پھیلائی۔ لڑائی کے میدان میں گرمی بڑھی۔ دونوں فوجیں دیوانوں کی طرح الجھیں میدان میں لاشیں بچھ گئیں، کئی عیسائی دستے بے نشان ہوگئے۔ مگر سینکو بڑھاوے پر بڑھاوے دیئے جارہا تھا۔ مجاہد اپنا کام کر رہے تھے، تلواریں دشمن کا صفایا کر رہی تھیں، نیزے تول تول کر پھینک رہے تھے، خنجر، کٹار، چھری، کلہاڑی سب اوزار کام میں مصروف تھے۔

ناگہاں نعرہ تکبیر گونجا، تمیم کا چھپا ہوا دستہ آپہنچا۔ تازہ دم تو تھا ہی۔ آتے ہی میدان کا رنگ بدل دیا۔ ایک طرف سے اس دستے نے دبایا۔ دوسری طرف سے مجاہدوں نے بھینچا، عیسائی دو پاٹوں میں پسنے لگے، خون کے دریا بہ نکلے، سینکو کے دستے نے اپنے آقا کی رفاقت میں کئی حملے کئے۔ مگر ہر بار مار کھائی۔ اور پسپا ہوا۔

تمیم نے سامنے سے ایک زوردار حملہ کیا۔ اس حملہ کا توڑ نہ تھا، عیسائی پیچھے کو بھاگے، مرے، کٹے، کچلے گئے، مسلے گئے روندے گئے، پیچھے سے اسلامی دستہ نے زور مارا، سینکو نے

بڑی کوشش کی مگر اٹھے ہوئے قدم نہ رکے، بھاگے ہوئے لشکری نہ ٹھہرے، وہ خود بھاگنے ہی والا تھا۔ کہ تمیم نے بڑھ کر للکارا،

"کہاں جاتا ہے۔ او گیدی! ٹھہر!، بزدل! ادھر آ، گیدڑ کے بچے! ادھر دیکھ، نہتے مسلمانوں کے قاتل! انتقام کی تلوار کی دھار دیکھ! آ اپنی بہادری کے جوہر دکھا۔ ہماری تلوار کی دھار آزما"

سینکو نے دیکھا۔ چاروں طرف مسلمانوں کی تلواریں تھیں، نیزے تھے، خنجر تھے، اس کی فوج کے جوان پرانے ستونوں کی طرح کٹے پڑے تھے۔ لاشوں سے ابھی تک تازہ خون بہ رہا تھا۔ زخمی سسک رہے تھے، کراہ رہے تھے، دم توڑ رہے تھے، تڑپ رہے تھے، مر رہے تھے،

وہ اپنی فوج سے کٹ چکا تھا، اس کی بچی کھچی فوج اپنی جان بچانے کی فکر میں تھی۔ اس کے دستہ خاص کے سپاہی بھی پسپا ہو چکے تھے ابھی وہ حیران ہی تھا۔ کہ تمیم نے پھر للکارا:۔

"بے حیا، اوباش! اب کیا دیکھتا ہے۔ مکار! اب کہاں جائے گا، ہمت ہے تو ادھر آ"

سینکو جیسے خواب سے جاگ اٹھا، جھٹ سے تلوار اٹھائی۔ اور تمیم پر حملہ کر دیا۔ تمیم نے وار روکا، اپنے گھوڑے کو قریب لایا۔ اور ایک ایسا چھچھلتا ہوا ہاتھ مارا کہ سینکو کا سر کٹ کر دور جا پڑا۔ جیسے

گیند ٹھوکر سے دور جا پڑتی ہے۔

عیسائی فوج بھاگی تو قشتالیہ پہنچ کر دم لیا۔ الفانسو نے فوج کی شکست اور بیٹے کی ہلاکت کی خبر سنی تو حواس کھو بیٹھا۔ اور چند دن کے بعد بیٹے سے جا ملا۔

یہ وہ عیسائی بادشاہ تھا۔ جو ہر طرف اپنی طاقت اور عیاری کے مظاہرے کرتا نہ تھکتا تھا۔ جس کے نکاح میں معتمد کی بیٹی تھی۔ اور جو اسلامی حکومت کو ایک آنکھ نہ دیکھ سکتا تھا۔

تمیم اب قشتالیہ پر بڑھے۔ اسے روندا اور پوری ریاست پر قبضہ کر لیا۔ دشمن کی طاقت ختم کر دی۔ اس کے بچھائے ہوئے جال توڑ دیئے۔ اور بتا دیا۔ کہ مسلمان زندہ ہے اور زندہ رہے گا، دشمن اپنی تباہی اور بربادی کا منتظر رہے۔

الفانسو کی درگت

مراکش میں موحدین کی طاقت بڑھ رہی تھی۔ اور علی کی قوت گھٹ رہی تھی۔ وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اس نے موحدین کا زور گھٹانے، انھیں دبانے، اپنی حکومت بچانے کے لئے اندلس سے ساری فوج منگا لی۔ فوج گئی۔ تو اندلس کی حفاظت کا انتظام معرض خطر میں پڑ گیا۔ رنئے الفانسو نے موقع پایا۔ ایک بڑی فوج لی اور اندلس پر بڑھ آیا۔ اس فوج میں فرانس، پرتگال، جرمنی، قشتالیہ اور اندلس کے ہزاروں جوانمرد اور شجاع شامل تھے، پادریوں کی بہت بڑی کھیپ تھی۔ متعصب عیسائیوں کا ہجوم تھا، ہتھیاروں کی کثرت تھی، رسد کی فراوانی تھی، گھوڑوں کی ہنہناہٹ کا شور تھا۔ "مسیح کی جے" کے جیکارے تھے، ناقوس کی صدائیں تھیں۔ تلواروں کی چمک تھی، نیزوں کی دمک تھی، شجاعت تھی، جرأت تھی، ہمت تھی، اور سب سے بڑھ کر وہ جوش تھا۔ جو عیسائیوں

کو مسلمانوں کا دشمن بنائے رکھتا تھا۔ جسے مسلمان ایک آنکھ نہ بھاتے تھے، جو انھیں کچا کھانے اور سالم نگل جانے کے لئے بے قرار تھا۔

پادریوں کی بن آئی تھی۔ وہ ان دیوانے عیسائیوں کو اور پاگل بنا رہے تھے، من گھڑت افسانے سناتے، جھوٹی سچی باتیں بتاتے، مذہبی جوش کو بڑھاتے اور نجات کا امیدوار بناتے تھے "بیٹے" کے داہنے ہاتھ کے جام چھلکاتے اور انھیں مست و بے خود کرتے تھے

الفانسو پہلے تو سرحدوں میں گھس آتا، جو کچھ پاتا، اٹھائے جاتا جو سامنے آتا اسے تلوار سے ہٹاتا، اور واپس چلا جاتا۔ مگر جب دیکھا کہ یہاں نہ کوئی روکنے والا ہے نہ ٹوکنے والا۔ تو اس کا حوصلہ بڑھا سرقسطہ پر چڑھا۔ اسے لوٹا۔ اہل شہر کو مارا، مکانات جلائے، مسجدوں میں ہل چلائے، مدرسے ڈھائے، ان میں گھوڑے بندھائے، اسلامی تہذیب و تمدن کو بے نشان کیا۔ اسلامی روایات کو بے جان کیا، عورتوں کی آبرو لوٹی، انھیں لونڈیاں بنایا۔ ہنکایا، شہر شہر پھرایا۔ بازار اور منڈیوں میں بکوایا، آزادی کو ختم کیا، غلامی کو پروان چڑھایا۔ مگر اس پر بھی صبر نہ آیا، غرناطہ پر بڑھا خوفناک طوفان کی طرح چڑھا، ہر طرف تلواریں چمکاتا، گھوڑے دوڑاتا، کاٹتا، مارتا، لتاڑتا، خون بہاتا، بہادری کے نعرے لگاتا غراتا،

دھاڑتا، للکارتا، پھنکارتا، بڑھتا آیا۔ اور غرناطہ پہنچ گیا۔ اس کے ظلم کی کہانیاں مظلوموں کی زبانی غرناطہ پہنچ چکی تھیں، سرقسطہ کی تباہی، مسلمانوں کی بربادی، عیسائیوں کی جلادی کے واقعات ہر جگہ مشہور تھے۔ عیسائیوں کی جلائی ہوئی آگ کا دھواں فضا کو تاریک کر چکا تھا۔

یہودی اپنی بے وفائی میں بدنام ہیں۔ ان کی غداری ازل سے مسلم ہے۔ یہ غدار ابن غدار ہیں۔ بے حیا، بے غیرت اور بدشعار ہیں۔ اندلس پر مسلمانوں کی گرفت ڈھیلی دیکھی تو عیسائیوں سے مل گئے۔ چالیس ہزار روپے اور چالیس ہزار سپاہی الفانسو کو پیش کئے۔ اس کی فوج پہلے ہی کثیر تھی۔ اس مدد سے اس نے اور حوصلہ پایا۔ اندرونی غداری سے خوش ہوا، اسلامی حکومت کو بیخ دبن سے اکھاڑ پھینکنے کا تہیہ کیا۔ اور غرناطہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کو بڑھ آیا۔

اہل غرناطہ نے اسلام کا نام بلند رکھنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ شہر کے دروازے بند کر لئے، اور مستعد ہو کر بیٹھ گئے۔ جب موقع پاتے، الفانسو پر شب خون مارتے، اس کے سپاہیوں کو کاٹتے، اور پھر شہر میں گھس جاتے،

الفانسو کے سپاہی گھٹتے گئے، ایک دن ایسا بھی طلوع ہوا۔ کہ غرناطہ سے مسلمان فوج در فوج نکلے۔ اور عیسائی لشکر پر آن پڑے

گھمسان کا رن پڑا، مسلمان کفن بردوش تھے۔جان ہتھیلیوں پر تھی۔ اللہ اکبر کا نعرہ زبان پر تھا، تلواریں علم تھیں، موت سے بے پروا تھے کٹنے مرنے سے بے نیاز تھے، اسلامی جوش اور اسلامی غیرت ابھری ہوئی تھی۔ بے دریغ تلوار چلائی، جدھر بڑھے، مارتے، کاٹتے، کچلتے، بڑھتے گئے، جدھر اٹھے دشمن کو ہٹا کر دم لیا۔ دم کے دم میں عیسائیوں کی لاشوں سے میدان بھر دیا خون کے دریا بہ نکلے، آدھی سے زیادہ فوج کاٹ کر رکھ دی۔ جو بچے وہ اس میدان حشر سے بھاگے، الفانسو سب سے آگے آگے تھا، مسلمانوں نے ان کے فرار کے رستوں کو بھی روکا، بھاگنے گیدڑوں پر تلوار چلائی، گلے کاٹے، نیزوں اور برچھوں سے انھیں چھیدا، مارا، بھگایا، وہ بھاگتے گئے، کٹتے گئے، مرتے گئے، قشتالیہ پہنچے، تو طور بے طور تھے، چہروں پر شکست مسلط تھی، جسم زخمی تھے، کپڑے پھٹے ہوئے تھے، بادشاہ سے لے کر سپاہی تک خون میں شرابور تھے: لہو میں بھیگے ہوئے تھے۔ زخموں سے چور تھے،

جنگ فراغہ

تمیم داصل بحق ہوا۔ نوتاشفین نے چچا کی جگہ سنبھالی تخت اندلس کو زینت دی۔ سلطنت کو سنبھالا۔ گوشے گوشے میں پھرا، خامیوں اور کمزوریوں کو دیکھا بھالا۔ راستے کے کانٹوں کو نکالا۔ اور حکومت کو سیدھی راہ پر ڈالا۔

الفانسو نے دیکھا۔ اندلس کے تخت پر ایک نوجوان شہزادہ رونق افروز ہے۔ خیال کیا۔ بچہ ہی تو ہے۔ بڑوں کے داؤ پیچ کیا جانتا ہو گا! جنگ کی سختیوں کو کیسے جھیلے گا! حکومت کی دشواریاں کیا سمجھتا ہو گا! سیاست بچوں کا کھیل تو ہے نہیں، آؤ اسے نیچا دکھائیں، اندلس سے مار بھگائیں۔ مسلمانوں کا نام نشان مٹائیں اور مزے سے عیش و عشرت کے دن منائیں۔

وہ نہیں جانتا تھا۔ کہ تاشفین نوجوان سہی۔ مگر اس نے بوڑھوں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ جنگی جوانوں میں اپنی عمر بڑھائی ہے۔ وہ مسلمان زادہ ہے۔ اس کی رگوں میں اسلامیوں

کا خون ہے، اسلامیوں کی شجاعت اس کی گھٹی میں پڑی ہے، اسلامی غیرت وحمیت کے گہوارہ میں جھولا ہے، بچپن سے تلواروں کا کھیل کھیلا ہے، اس کے بازوؤں میں اسلامی سمندر کی مچھلیاں کھیل رہی ہیں، اس کی انگلیوں کی پور پور میں اسلامی قوت مچل رہی ہے، اس کا وجود جوہر شجاعت وتہور کا پیکر ہے۔

الفانسو نے فوج جمع کی۔ اسے ہتھیاروں سے لیس کیا۔ اور اندلس کے تخت کے لئے خطرہ بن کر اٹھا، متواتر تین بار بڑی تیاری کے ساتھ آیا۔ اور تینوں بار منہ کی کھا کر گیا، اور اپنے تین قلعے بھی دے بیٹھا۔ مگر اسلام دشمنی کا جذبہ اسے چین نہ لینے دیتا تھا۔ اس نے آخری داؤ لگایا۔ فرانس، پرتگال، انگلستان میں پادریوں سے وعظ کرایا، اسلام دشمنی کے جذبہ کو ابھارا، تینوں ملکوں کے بہادروں کو بلایا۔ اور ایک بڑی فوج لے کر چڑھ آیا۔ اسے یقین تھا۔ کہ تینوں ملکوں کے مذہبی دیوانے اس کے لئے سر فروش اور کفن بدوش ہیں، تاشفین ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اور فتح مندی اس کی کنیز یا تمیز ہو گی۔

الفانسو کثرت فوج کے نشے میں سرشار تھا۔ فرانس، انگلستان اور پرتگال کے بہادر اس کے جھنڈے کے نیچے تھے، پادری اس کے لئے وعظ کر رہے تھے، وہ بڑی شان سے ایبرو کی

وادی میں اترا، اسے عبور کیا، راستے کی بستیوں کو روندتا، مردوں کا خون بہاتا، عورتوں کو لونڈی، کنیز بناتا، بڑھا، فراغہ پہنچا۔ تو تاشفین کو منتظر پایا۔ اپنی ٹڈی دل فوج کو سنبھالا، پس و پیش کو درست کیا، قلب کو مضبوط بنایا۔ بہادر اور شجاع عیسائیوں کو مختلف دستوں کی کمان سونپی۔ پادری صلیبیں گلے میں لٹکائے، انجیل ہاتھوں میں اٹھائے، آگے آئے، فوج کے سامنے انجیل پڑھی، وعظ کئے، افسروں کے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ جو کچھ ملا جیب میں ڈالا مسیح کی جے کے جیکارے لگے، عیسائیت کی فتح کے نعرے گونجے، ناقوس بجے، دعائیں مانگی گئیں۔

تاشفین تیار تھا، اللہ اکبر کے نعرے گونجے، مجاہدوں نے ایک زور دار نعرہ لگایا، "اسلام زندہ باد" کی آواز بلند ہوئی فضاؤں میں تہلکا مچ گیا۔ ہوا ٹھہر گئی، پرندے چپ ہو گئے، آسمان حیرت سے دیکھنے لگا، لڑائی، جنگ، خون، لہو، زمین پیاسی ہو گئی، عیسائی مسلم کشی پر آمادہ و تیار تھے، مسلمان بھی مستعد و ہوشیار تھے۔

تاشفین گھوڑے پر سوار تھا۔ شمشیر برہنہ دائیں ہاتھ میں تھی نیزہ بائیں ہاتھ میں تھا۔ خدا کا ذکر زبان پر تھا، تکیہ قوت بازو اور ایمان پر تھا اس نے اپنی فوج کے سامنے ایک چکر لگایا۔ گھوڑے کو دوڑایا۔ سب کو نیک و بد سمجھایا۔ شہادت یا فتح کو

انجام بتایا۔ خدا کا نام زبان پر لایا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

اسلامی فوج قلیل تھی اور عیسائی لشکر کثیر تھا۔ مگر ایمان کی قوت سے مجاہدوں کے دل مضبوط تھے۔ وہ خدا کے دشمنوں اسلام کے بیریوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے بے قرار تھے۔ انھیں عیسائی پہلوان، روئی کے گالے معلوم ہوتے تھے، وہ انھیں دھنک دینا چاہتے تھے۔

الفانسو طبل جنگ بجا کر بڑھا، اس کے شہسواروں نے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں، تلواریں ہوا میں لہرائیں، نیزوں کی سنانیں چمکائیں تیر اندازوں کی کمانیں کڑکڑائیں، تیروں کا مینہ برس گیا۔

مجاہد بھنا گئے، تاشقین کا اشارہ پاتے ہی بڑھے، گھوڑے آندھی بن کر اڑے، تلواریں میانوں سے تڑپ تڑپ کر نکلیں، نیزے اچھل اچھل کر لپکے، تلواروں نے جسم کاٹا، نیزوں نے لہو چاٹا، تیروں نے زخم لگائے، برچھوں نے خون کے چھینٹے اڑائے۔

دونوں لشکر مل گئے، تلواروں کی ہولناکی، تلوریوں کی بیباکی بڑھنے، چڑھنے، پھیلنے، سمٹنے لگی۔ ناقوس کی آواز بے ہنگم سے اللہ اکبر کے نعرے ٹکرائے، کبھی مجاہد دباتے، کبھی عیسائی بڑھ آتے، دھکا پیل، کشتم کشتا ہونے لگی۔

رن کا میدان سرخا سرخ ہو گیا، فرنگیوں کے سفید چمڑے خون سے لال ہو گئے، سفیدی پر سرخی کی تہیں چڑھ گئیں، میدان جنگ کٹے ہوئے سروں سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے لالہ زار میں ناریل کے پھل بکھیر دیئے گئے ہوں۔ یا بے شمار تربوزہ کسی کھیت میں توڑ دیئے گئے ہوں۔

عیسائی کٹتے تھے ہٹتے تھے، پھر بڑھ آتے تھے، پھر ہٹتے تھے، پھر بڑھتے تھے۔ یہ سلسلہ جاری تھا۔ تاشقین گھوڑا دوڑائے پھرتا تھا، جہاں دشمن کا دباؤ دیکھتا، فوراً وہاں پہنچ جاتا۔ اور شمشیر و سناں سے دشمن کا زور توڑ کر رکھ دیتا۔

لڑائی تزازد ہو رہی تھی، کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے، خون کے دریا بہ رہے تھے۔ مگر نہ انھیں خطر تھا، نہ انھیں ظفر، تاشقین نے یہ رنگ دیکھا تو اپنے دستہ خاص کو بڑھایا۔ اس دستے نے ایسا حملہ کیا، کہ عیسائیوں کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ ترتیب بے ترتیب ہو گئی۔ مجاہدوں نے نعرہ مارا اور اس زور کا حملہ کیا۔ کہ عیسائی پیچھے ہٹ گئے، اسلامی تلواروں کے کاٹ سے ڈر گئے، ہٹتے گئے، ہٹتے گئے، تا آنکہ اپنے کیمپ تک پہنچ گئے۔

تاشقین نے نعرہ مارا، "اسلام کے سپوتو! اسلام کے فرزندو! بڑھو بڑھو ——— بڑھو۔ دشمن پر کاری ضرب لگاؤ۔ ہاں سے

جانے نہ دو، بھاگنے کی راہیں بند کردو، دشمن بھاگنے ہی والا ہے، استقلال سے تلواریں چلاؤ، خدا کا نام زبانوں پر لاؤ بڑھو ــــ بڑھو ــــ بڑھو"

تاشقین کے ان الفاظ میں بجلی کا اثر تھا، مجاہد دیوانہ وار بڑھے، شیروں کی طرح حملے کرنے لگے، جو دشمن سامنے دیکھا۔ اسے تلوار کا مزہ چکھایا! جو بھاگا اسے نیزہ سے پر دیا، سینکڑوں گھوڑوں کے سموں میں کچلے گئے، ہزاروں جان دے کر سرخ رو ہوئے، گیدڑوں کی طرح بھاگے، تاشقین انھیں گھیر گھیر کر لاتا، اور اپنے مجاہدوں سے کٹواتا، میدان لاشوں سے بھر گیا۔ عیسائیوں کی اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو گئی مجاہدوں کی تلواروں نے انھیں زندگی کے بوجھ سے سبکدوش کر دیا۔ الفانسو بھاگا، مجاہدوں نے اسے گھیرا اور ککڑی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا بہت سے سردار اور پادری بھی لقمہ شمشیر بنے، جو بچے وہ بھاگے، جدھر منہ اٹھا، دوڑے۔ شام تک میدان صاف ہو گیا۔ دشمن کا نشان بے نشان ہو گیا۔ لاشیں بکھری، کٹی، مسلی، کچلی رہ گئیں۔

تاشقین نے فتح کا جھنڈا لہرایا، خدا کا شکر ادا کیا، مجاہدوں کو آفرین کہی، مال غنیمت کے انبار جمع کئے۔ شہیدوں پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور دفن کر کے واپس لوٹا۔

جنگِ لزبن

افریقہ پر موحدین کی حکومت تھی۔ یعقوب سربرآرائے سلطنت تھے۔ مراکش کے اندرونی انتظامات میں مصروف تھے۔ اندلس کی طرف توجہ کم تھی۔ یہاں کے حکمران اپنی خود مختاری کے سہانے خواب دیکھ رہے تھے۔ اور کبھی کبھی آپس میں بھی الجھ پڑتے تھے۔ عیسائی حکمران اسی تاک میں تھے۔ انھوں نے جو سرحدات کو غیر محفوظ پایا۔ تو حوصلہ بڑھا۔ اندلسی علاقوں پر تاخت وتاراج کا آغاز کر دیا۔ اپنی سرحدوں سے نکلتے، اسلامی سرحدوں کو روندتے، لوٹ مار مچاتے، جو کچھ پاتے، اٹھاتے اور اپنے ہاں لے جاتے،

سرحدات کے مسلمانوں کی زبوں حالی بڑھتی گئی، اندلسی حکمرانوں کو آپس کی سرپھٹول سے فرصت نہ تھی۔ سرحدات کی حفاظت کا خیال کیسے آتا، اور اگر آبھی جاتا، تو آپس کی بدگمانیاں اور ریشہ دوانیاں ان کا دامن پکڑ لیتیں۔

یعقوب کو معلوم ہوا۔ تو وہ افریقہ کے انتظامات سے فارغ ہوتے ہی اندلس کو چلے۔ ایک بڑی فوج ساتھ لی۔ اور سرحدی لٹیروں کی مزاج پرسی کا ارادہ کیا۔

اندلس کے ساحل پر اترے۔ اشبیلیہ کا رستہ لیا۔ منزل بہ منزل بڑھتے گئے۔ راستے کے شہروں کے انتظامات درست کرتے گئے، باغیوں کو دباتے، سرکشوں کی گردنیں جھکاتے پرتگال کی سرحد پر آپہنچے۔

یہی وہ حد تھی۔ جہاں زیادہ شورو شر اور زیادہ خطرہ تھا یعقوب یہاں رکے، کچھ سوچا، پھر خدا کا نام لیا۔ اور پرتگال کی حد عبور کر لی۔

عیسائی فوجیوں نے راستہ روکا مگر سیلاب تنکوں سے کہاں رکتا ہے؟ اسلامی سیلاب بڑھتا ہی گیا۔ جو خس وخاشاک راستے میں آئے، اس سیلاب کی نذر ہوتے گئے۔ فتح وظفر کا پرچم پرتگال کی زمین پر لہراتا چلا گیا۔ تکبیر کے نعروں کی صدا اس ملک میں پھیلتی ہی گئی۔

حاکم پرتگال نے کئی مقامات پر مجاہدوں کو روکنے کی کوشش کی مگر ہر جگہ ناکام ونامراد رہا۔ اسلامی فوجیں لڑتی، دباتی، کاٹتی لزبن کے سامنے آپہنچیں۔

لزبن پرتگال کا دارالحکومت تھا، پرانا شاہی شہر تھا۔ اس

کے استحکامات بھی دوسرے شہروں کی نسبت تسلی بخش تھے
یہاں مجاہدوں کو ایک بڑی لڑائی لڑنی پڑی۔ میدان میں شکست
پاتے ہی عیسائیوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے۔
عیسائی قلعہ بند ہو گئے، مورچوں میں مستعد ہو کر بیٹھ گئے
مجاہدوں پر، تیر اور پتھر برسنے لگے۔ کئی دن تک شہر مجاہدوں
کے حملے روکتا، اور بھرپور وار کرتا رہا۔ عیسائی فوجیں بڑی بے
جگری سے یعقوبی حملے روکتی رہیں
ایک صبح یعقوب نے اپنی فوج کو ہوشیار کیا۔ اور حکم دیا
کہ آج اس شہر کو فتح کرنا ہے۔ اللہ اکبر کے نعرے لگاتے
ہوئے بڑھو، سنگ و تیر کی پروا نہ کرو، دروازوں پر پہنچو۔ اور
انھیں توڑ کر رکھ دو۔"
مجاہدوں نے حکم سنا، نعرہ تکبیر لگایا۔ خدا کو یاد کیا، فوج در
فوج دروازہ کی طرف بڑھے۔ تیروں اور پتھروں کی بارش
ہوتی رہی۔ مگر کسی نے پروا نہ کی۔ دروازوں پر پتھروں اور ہتھوڑوں
کی ضربیں پڑنے لگیں۔ ہر ضرب عیسائیوں کے دلوں کو ہلاتی
اور دہلاتی رہی۔ آخر دروازے ٹوٹے اور مسلمانوں کا سیلاب اندر
داخل ہو گیا۔ جو سامنے آیا، اسے بہایا، تلوار کے گھاٹ اتارا،
کچلا، راستہ بنایا۔ ہر بازار اور ہر گلی ایک مورچہ تھا۔ مجاہد ہر جگہ
پہنچے، اور گلیوں، بازاروں، کوچوں میں دشمنوں کی لاشیں بچھا

دیں۔ گلیوں اور بازاروں میں خون بہنے لگا۔

آخر مدافعت ختم ہو گئی۔ اور یعقوب نے لزبن پر قبضہ کر کے اسلامی پرچم لہرا دیا۔ مال غنیمت اٹھایا اور اپنی چھاؤنی میں پہنچایا۔ محلات اور بڑے بڑے مکانات پیوند زمین کئے لزبن کو شہر سے ویرانے میں تبدیل کر دیا۔ جس کی تباہی پر راتوں کے سناٹے میں اُلّو نوحہ خوانی کرنے لگے۔

یعقوب لزبن سے پلٹے۔ تو اشبیلیہ کے راستے واپس چل دیئے۔ مال غنیمت غریبوں، محتاجوں میں تقسیم کر کے واپس مراکش چلے گئے

جنگ سلویس

لزبن انتقام کی آگ کا ایندھن بنا۔ تو شاہ پرتگال بھگوڑا تھا۔ یعقوب واپس چلے گئے۔ شاہ پرتگال نے لزبن کی تباہی پر آنسو بہائے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں سے مدد کی التجا کی۔ پادریوں کو قریہ قریہ بستی بستی بھیجا۔ اور چپے چپے میں انتقام کی آگ روشن کردی۔

اتفاق کی بات فرانس اور انگلستان کے بہت سے جہاز بیت المقدس جا رہے تھے۔ پادری ان جہازوں پر پہنچے۔ اور مقدس مریمؑ اور بیٹے کے نام پر انھیں پرتگال کی مدد پر اکسایا۔ لزبن کی تباہی کے قصے سنائے۔ اور انھیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے مرنے پر آمادہ کرلیا۔

یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مسلح تھے، جنگجو تھے، مذہبی دیوانے اور انتقام کی شمع کے پروانے تھے۔ مسلمانوں کے دشمن تھے، اسلامیوں کا خون بہانے میں نجات اور سعادت ابدی تلاش

کرتے تھے۔ ان کا ایمان تھا۔ کہ مسلمانوں کا قتل عام مقدس بیٹے کی خوشنودی کا باعث ہے۔

شاہ پرتگال نے دیوانوں کی فوج پائی۔ تو اس کے دل کی مراد بر آئی۔ بادشاہ تو مراکش جا ہی چکے تھے۔ اندلسی حکمرانوں سے اتنا خطرہ نہ تھا وہ اپنی فوج کے ساتھ پرتگال سے نکلا اور سرحد پار کر کے اسلامی علاقہ پر آن پڑا۔ بستیاں جلاتا، آگ کے طوفان اٹھاتا، لوٹتا، مارتا پھرا، سلویس پہنچا۔ تو سر سبز، کھیت اور باغات جلائے بستیاں آگ میں بھون ڈالیں۔ شہر پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو بے دریغ تلوار کے گھاٹ اتارا ایک مسلمان بھی زندہ نہ چھوڑا، عورتوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکایا، جی بھر کر ان کی بے آبروئی کی، انھیں عیسائی گھرانوں میں لونڈیاں بنایا بازاروں میں کھینچا، جگہ جگہ پھرایا، منڈیوں میں بکوایا۔ اور لڑنے کا انتقام جی بھر کر لیا۔

سلویس کے مسلمانوں کی تباہی کی خبر مراکش پہنچی۔ تو بادشاہ اسلام یعقوب کا جی بھر آیا اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، عیسائیوں کے ظلم سن کر آتش انتقام بھڑکی، آنکھیں غیظ و غضب سے سرخ ہو گئیں۔ بے اختیار پکار اٹھا۔

"یعقوب کی زندگی میں مسلمانوں پر اس قدر ظلم! سلویس کے شہدا کا انتقام لیا جائے گا، سلویس کے شہیدو! تمہارا خون نہیں گرا یہ میرا خون تھا، بے بس اور بیکس عورتو!

تمہاری آبرو میری آبرو ہے، میں اپنے فرض سے
سبکدوش ہو کر رہوں گا"

قرطبہ میں محمد گورنر تھے۔ ایک تیز رفتار قاصد کو حکم دیا۔ ہوا کے دوش پر قرطبہ پہنچو۔ اور انھیں کہو۔ ابھی اٹھو، گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ، سلوبیس کے شہدا کا انتقام لو، یہ انتقام ایسا ہو کہ قیامت تک عیسائیوں کو یاد رہے۔

حکم سنتے ہی محمد اپنے محل سے نکلے، فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ اور سلوبیس کی طرف باگیں اٹھا دیں۔ فوج چلتی گئی، منزل قریب آتی گئی، ظالم عیسائی فوجیں عیش و عشرت کے جشن منا رہی تھیں۔ اپنی فتح پر اترا رہی تھیں، کوس لمن الملک الیوم بجا رہی تھیں، شراب کے جام چڑھائے جا رہے تھے رقص و سرود کی محفلیں گرم تھیں۔ مسلمان عورتوں کی آبرو سے کھیلا جا رہا تھا۔ کہ محمد اپنی فوج ظفر موج لئے ہوئے پہنچ گئے۔

عیسائی دیوانوں کا نشہ ہرن ہو گیا۔ انھوں نے عیش کی محفلوں کو الوداع کہی، ہتھیار بجائے، ڈھول پیٹے، ناقوس پھونکے، جنگ، جنگ کے نعرے لگائے۔ پادریوں نے اس جوش کو اور تیز کیا، ننوں نے اپنے جادو جگائے۔ پرتگال، فرانس، انگلستان کے بہادر مقابلے پر آئے، لڑائی کا آغاز ہوا۔ محمد نے نعرہ تکبیر لگایا، مجاہدوں کا خون گرمایا۔ اور حملہ کر دیا،

جوں جوں آفتاب اونچا ہوتا گیا۔ لڑائی میں شدت آتی گئی، مجاہدوں کی تلواریں دشمن کا خون پینے لگیں، سر دھڑ سے جدا ہونے لگے، لاشے پر لاشہ گرنے لگا، خون کی ندیاں بہنے لگیں، عیسائی بہادر کٹنے لگے، آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنے لگے۔

مجاہدوں کی تلواریں بجلی بن کر گرنے لگیں، دشمن کے خرمن جلنے لگے، اسلامی تلوار کی دھار جسموں سے آر پار ہونے لگی، نیزوں کی زبانیں خون چاٹ چاٹ کر سیر ہوئیں، عیسائی، ظالم عیسائی بھاگے، ادھر ادھر چھپے، پکڑے گئے، تلوار کے گھاٹ اتارے گئے، مقدس اور جوشیلے مذہبی دیوانے تہ تیغ کر دئے گئے۔ چودہ ہزار کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔ پادری تلوار کا لقمہ بنے۔ پندرہ ہزار عیسائی عورتیں قرطبہ کے بازاروں میں فروخت ہوئیں۔ سلیس سے عیسائیوں کا نام اسی طرح مٹا دیا گیا، جس طرح انھوں نے مسلمانوں کا نام مٹایا تھا۔ بے غیرت دشمن کو وہ سزا دی گئی، جس کی یاد ہولناک سے ہولناک تھی۔

قدرت کا انتقام

عیاشی اور فحاشی کے نتائج کبھی اچھے نہیں ہوئے، اندلس کے مسلمان بھی اسی قبیح مرض کا شکار تھے۔ بادشاہ کی آنکھوں پر حسن پرستی کی عینک لگی تھی جس میں شراب ناب کے شیشے تھے وہ تین لاکھ کی جمعیت کے سامنے جہاد کے لئے بڑھا تھا، مگر عیاشی نے اس کے اعضا کی طاقت چھین لی تھی۔ وہ نہ تو اپنی فوج کو دیکھ سکتا تھا۔ نہ اسے دشمن کی یاد ستاتی تھی۔ دن رات ساغر و شاہد و ساقی سے کام تھا۔

حصن العقاب پر الفانسو کی ٹڈی دل افواج سے مقابلہ ہوا عیسائی بھیڑیوں کی طرح جھپٹے اور اس طرح بڑھے۔ جیسے مقابلہ پر مرد نہیں نرخے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو کاٹا، بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو قتل کیا۔ حصن العقاب یا ٹولوسا کے میدان، پہاڑ، جنگل، راستے، شاہراہیں مسلمانوں کی لاشوں سے اٹ گئے۔

ٹولوسا یا حصن العقاب کی دیواریں اس طوفان عظیم کے

سامنے ڈھیر ہو کر گر پڑیں۔ شہر کے لوگ بھاگ چکے تھے، ٹولوسا کی جنگ کے زخمی اور بیمار و کمزور مرد و زن کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ یہ زخمی، کمزور اور بیمار جامع مسجد میں پناہ گزین تھے۔ عیسائی جنگجو ابھی مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے۔ انھیں ان معذوروں اور مجبوروں پر بھی رحم نہ آیا۔

جامع مسجد کے گرد ہزاروں من ایندھن کے ڈھیر لگائے۔ ایک بڑی چتا تیار کی۔ اور آگ لگا کر تماشا دیکھنے لگے۔ ادھر آگ کے شعلے بلند ہوئے، ادھر رقص و سرود کا آغاز ہو گیا۔ قہقہوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ناقوس کی آوازیں اونچی اٹھنے لگیں، مسجد جلنے لگی، مسلمانوں کی دلدوز چیخیں فضا میں پھیل گئیں۔ آگ کے شعلے چیخوں کو ہڑپ کر گئے۔ اور مسجد سمیت پناہ گزین راکھ کا ڈھیر بن گئے۔

ٹولوسا کا تماشا ختم ہوا۔ نئے شکار کی دھن ہوئی۔ عبید پر یورش کر دی۔ فصیل نے راستہ روکا، اطالوی انجنیئر ساتھ تھے۔ انھوں نے فصیل میں شگاف کر دیا۔ مسلمانوں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ دس لاکھ اشرفیاں جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے پیش کیں۔ معاہدہ ہو گیا۔ اور شہر الفانسو کے حوالے کر دیا گیا۔

شہر پر قبضہ پایا۔ تو معاہدہ کو بھلا دیا۔ مسلم کشی کا نیا طور یاد آیا،

شہر کو خالی کرایا، عیسائیوں کو پیچھے لگایا، فوج کو دوڑایا۔ اور ساٹھ ہزار مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ جو زندہ پائے وہ آگ کے شعلوں میں جلائے گئے، عورتوں کے ریوڑ ہنکائے، انھیں رسوا کیا، کپڑے تک اتروائے، انھیں ننگا پھرایا، اور دیس دیس بکوایا۔ شہر کو لوٹا، مکانوں کو جلایا، مساجد کو گرایا، اور وہ تباہی پھیلائی کہ لاکھوں کا یہ شہر ملبے کا ڈھیر بن کر رہ گیا۔

مسیحؑ کی بھیڑوں نے بھیڑیوں کا کام کیا۔ کسی انسان پر رحم نہ آیا، ان کی سیاہ دلی نے چمکتا دمکتا آباد شہر ویرانی و تباہی کے دھوئیں میں چھپا دیا۔

قدرت دیکھ رہی تھی، مظلوموں کی چیخیں سن رہی تھی۔ ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینے پر تل گئی۔ نہتے مسلمان مقتولوں کا خون رنگ لایا، قشتالیہ قحط کی گود میں آیا، بیماریوں نے فوج اور ملک پر قبضہ جمایا، سارا ملک بیمار خانہ بن گیا، مظلوم مسلمانوں کے قاتل بستروں پر کراہ رہے تھے دانے دانے کو ترس رہے تھے، بھوک اور بیماری کی فراوانی تھی، سینکڑوں بھوک کا نشانہ بنے۔ ہزاروں بیماریوں کا بہانہ بنے۔ الفانسو ایک خطرناک مرض کا شکار ہوا، سسک سسک کر مرا، رو رو کر زندگی کو الوداع کہا۔

الفانسو کے تلوریئے موت کی تلوار سے مرے، اس کے برچھیت قدرت کے انتقام کی برچھیوں سے چھدے۔ سارے ملک میں نوحہ و آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ ہر جگہ بین ہونے لگے۔ ہر مقام پر کہرام مچ گیا، ہر گھر سے آہ و نالہ کی صدائیں اٹھنے لگیں تباہ کار تباہی کا شکار ہو گئے۔ قدرت نے مظلوم مسلمانوں کا انتقام لیا۔ اور ظالموں کو پیس کر رکھ دیا۔

جنگ جیان

الفانسو مرا تو اس کا نوجوان بیٹا فرڈی نند تخت پر بیٹھا۔ یہ باپ سے بھی دو ہاتھ بڑھا ہوا تھا۔ اور مسلم دشمنی تو اس کی گھٹی ہی پڑی تھی۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی سرحدات پر حملے شروع کردیئے۔ کبھی کسی طرف بڑھ جاتا، کبھی کسی طرف چڑھ آتا۔

مسلمان حکمران آپس میں لڑ رہے تھے، ابو علی ادریس اور یحییٰ بن نصر میں ٹھنی ہوئی تھی، باہمی لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ کہ فرڈی نند نے ایک بڑی فوج ساتھ لی۔ موقع سے فائدہ اٹھایا، حالات کو سودمند پایا، جیان پر چڑھ آیا اور محاصرہ کرکے بیٹھ گیا۔ شہر کے اردگرد کے باغات جلائے، کھیت اجاڑے، مضافات شہر میں تباہی کے الاؤ روشن کئے۔ اور جیان کی فضا کو دھواں دھار کردیا۔

علی ادریس یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ مگر یحییٰ بن نصر سے

نپٹنے بغیر کچھ نہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے خدا سے دعائیں مانگیں، رو رو کر التجائیں کیں۔ کہ تجبے کی بلا ٹل جائے۔

آخر خدا نے ان کی سن لی، تجبے کو شکست ہوئی۔ اور وہ بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گیا۔ اس کی فوج پراگندہ ہو گئی، خطرہ ٹلا تو علی اور بیس نے جھٹ پٹ نئی فوج مرتب کی۔ خدا کا نام لیا۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور جیان کی طرف باگیں اٹھا دیں۔

فرڈی ننڈ جیان کو محاصرہ میں لئے بیٹھا تھا۔ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کا عزم کئے ہوئے تھا۔ مسلمانوں کا قتل عام کرنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا اسے معلوم تھا۔ کہ کوئی اسلامی فوج جیان کی مدد کو نہیں آسکتی۔ کیونکہ اس قوم کی بد قسمتی انھیں آپس میں لڑا رہی ہے۔ یہ باہم کٹ رہے ہیں ان کی طاقت روز بروز گھٹ رہی ہے۔ یہ کئی گروہوں میں بٹ چکے ہیں۔ اور اپنے آپ کو کمزور سے کمزور تر کر رہے ہیں۔

فرڈی ننڈ کی فوج میں پادریوں کی اچھی خاصی کھیپ موجود تھی۔ جو انھیں دن رات مسلمانوں کے قتل پر اکسا رہی تھی، حسین و جمیل عورتوں کا بھی ہجوم تھا تا کہ اس کی فوج کو اپنے بیوی بچوں کی یاد نہ آئے، وہ ان کا دل بہلاتی رہیں

انھیں خونریزی پر اکساتی رہیں۔ اور گھروں کی محبت کے نقوش مٹاتی رہیں۔

فرڈی نند بے فکری سے محاصرہ میں مشغول تھا۔ کہ دفعتاً فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ اللہ اکبر کی آوازیں فضا میں پھیل گئیں "ارے یہ کہاں سے آدھمکے، آسمان سے اتر آئے یا زمین سے اگل پڑے" وہ ہوشیار ہوا اپنی فوج کو پکارا، ہوشیار ہو جاؤ، شکار آ رہا ہے لومڑی شیر کی کچھار کے قریب پہنچ چکی ہے۔ بیمار خود دوائے مرگ لینے کو آگیا ہے۔

جاسوس دوڑائے، "دیکھو کون ہے۔ کہاں سے آیا ہے، کیا ارادہ لایا ہے، کتنی جمعیت ہے!"

خبر ملی۔ کہ "علی ادریس ہے۔ فوج کچھ زیادہ نہیں، یحییٰ بن نصر کو شکست دے چکا ہے۔ جیان کی مدد کا ارادہ ہے۔"

فرڈی نند نے اپنی فوج کو درست کیا۔ کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ میمنہ میسرہ پر بہادر سردار مقرر کئے اور علی کا انتظار کرنے لگا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز قریب آتی گئی، دور سے دکھائی دینے والا غبار نزدیک آگیا۔ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے صاف سنائی دینے لگے، دیکھتے دیکھتے غبار اور قریب آگیا۔ اور اسلامی فوج نے اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا۔

عیسائی فوجیں تو تیار ہی تھیں، فرڈی نند نے فوراً حملے کا حکم

دے دیا۔ ادھر سے یہ بڑھے، ادھر سے مجاہدوں نے باگیں اٹھائیں، تلواریں چمکائیں، کمانیں کڑکڑائیں، برچھے نکلے، تیر سے ہلے، سورج نے اپنے چہرے سے غبار پونچھا اور اپنی حفاظت کے لئے کرنوں کے نیزے تان لئے،

عیسائی فوجیں شمشیر برہنہ کی طرح بڑھیں، دونوں فوجوں کے ملتے ہی میدان قتال گرم ہو گیا، تلواروں اور نیزوں کی چمک سے سورج کی آنکھیں چندھیانے لگیں، ہوا ٹھہر گئی، پرندے درختوں سے اڑ گئے۔ زمین کانپی، آسمان تھرایا وہ رن پڑا کہ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے، خون کے دریا بہ گئے، میدان جنگ پر تلواروں کا سایہ چھا گیا، موت کی بھیانک آندھی چلنے لگی۔

علی ادریس تلوار علم کئے گھوڑے پر سوار تھا، شیر کی طرح غراتا ہوا بڑھتا، دشمنوں کو کاٹتا، گراتا، کچلتا ایک سرے سے دوسرے سرے تک نکل جاتا اس کی تیغ زنی مجاہدوں کے دل بڑھاتی اور عیسائیوں کے حوصلے بجھاتی گئی۔ وہ جان توڑ کر لڑ رہے تھے، حملے پر حملہ کر رہے تھے۔ مگر علی کی تلوار ان کے حملے بیکار کر رہی تھی۔

عیسائی مرنے مارنے پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ مجاہد بھی نعرے پر نعرہ لگاتے تھے، بڑھتے تھے، ہٹتے تھے اور پھر

شیروں کی طرح آپڑتے تھے یہ نظارہ اگرچہ خوفناک تھا، اور اس کا نتیجہ ہولناک تھا۔ مگر سورج اُسے سارا دن دیکھتا رہا، اس کی آنکھوں میں زمین کا غبار آنکھ میں کاجل معلوم ہوتا تھا۔

شام ہوگئی۔ مگر لڑائی کا زور نہ ٹوٹا، عیسائی کٹتے تھے۔ مگر پیچھے نہ ہٹتے تھے، علی سے نہ رہا گیا۔ اس نے اپنے دستۂ خاص کو پکارا، زور کا ایک نعرہ لگایا، اپنا گھوڑا آگے بڑھایا، تلوار سے راستہ بناتا، دشمنوں کو ہٹاتا، مارتا، گراتا اس طرح بڑھا۔ کہ دشمن کی صفیں ٹوٹ ٹوٹ گئیں۔ فرڈی نینڈ نے بہتیری کوشش کی۔ مگر بگڑی نہ بنی۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا، روشنی سمٹ چکی تھی، صفیں درست ہونا آسان نہ تھا اِدھر مسلمانوں کے حملوں میں شدت آرہی تھی، وہ اپنے بھائیوں کا انتقام لینے پر تل گئے تھے۔ وہ عیسائی ظالموں کا خون گرانا ہی نہیں، پی لینا چاہتے تھے۔ وہ اندھیرے میں تلواریں چلاتے، اللہ اکبر کے نعرے لگاتے بڑھتے، مارتے کاٹتے، بڑھے جاتے تھے۔

علی کے دستۂ خاص نے عیسائیوں میں قیامت بپا کردی، فرڈی نینڈ کا خاص دستہ سامنے آیا۔ تو کاٹ کر پھینک دیا گیا، بڑے بڑے جوان اور بہادر عیسائی کٹے پڑے تھے۔ آخر

عیسائی بھاگے، فرڈی نند جان سلامت لے کر فرار ہوا، جدھر جس کا منہ اٹھا، بھاگا، جان بچانے کے لئے دوڑا جہاں جگہ پائی چھپا، مجاہد انھیں مارتے، گراتے، کچلتے بڑھتے گئے۔ ہر طرف عیسائیوں کی لاشیں بکھر گئیں میدان، راستے، شاہراہیں، جنگل لاشوں کا شہر بن گئے۔

عیسائیوں کی ساری دولت، سارے اموال ساری غنیمتیں میدان میں پڑی رہ گئیں۔ اور بھاگنے والے صرف اپنی جانیں بچا کر بھاگ سکے علی نے دشمن کو وہ شکست دی کہ غیرت مند ہوتا تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرتا،

اندلس کی سرحدیں دشمن کی لاشوں سے بھری پڑی تھیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا۔ گدھ پہاڑوں کی چوٹیوں اور درختوں کی پھننگوں پر آکر بیٹھ گئے۔ اور مجاہدوں کے ہٹتے ہی لاشوں پر آگرے، انھوں نے عیسائی درندوں کی بوٹیاں نوچیں اور مست ہو ہو کر جھومنے لگے۔

غنیمتوں کے ڈھیر جمع ہوئے۔ تو ایک بڑا اونچا انبار لگ گیا۔ علی نے مجاہدوں کے ساتھ نماز شکرانہ ادا کی۔ شہدا پر نماز پڑھی اور انھیں دفن کر کے واپس لوٹا۔

جنگ قومارسہ

اندلس پر اسلامی حکومت پانچ سو سال ختم کر چکی تھی۔ ابن ہود، محمد الاحمر سے دست بگریباں تھے۔ کہ ابو جمیل نے ابن ہود پر حملہ کر دیا اور اس مجاہد کو دو محاذوں پر لڑنا پڑا، ان کی باہمی چپقلش سے کئی صوبے داروں نے خود مختاری کے جھنڈے لہرا دیئے، اور اس طرح اپنی طاقت گھٹا ڈالی،

فرڈی ننڈ اسی تاک میں تھا۔ وہ بے باک ہو کر اٹھا۔ اور اپنی حدیں وسیع کرنے لگا۔ ایسی طوائف الملوکی چھائی۔ کہ عوام کی روزمرہ کی زندگی بوجھل ہو گئی۔ بازار اجڑے، منڈیاں ویران ہوئیں، شاہراہیں غیر محفوظ ہو گئیں، لٹیروں اور رہزنوں کی بن آئی، غنڈے اپنے غاروں سے نکلے اور ہر طرف بدامنی اور خوف چھا گیا۔

فرڈی ننڈ نے یہ حالت دیکھی تو موقع کو مناسب سمجھا قشتالیہ سے ایک بڑی فوج لے کر اٹھا۔ اور ابن ہود کی سرحد میں داخل

ہو گیا جدھر گیا، طوفان اٹھایا، جدھر پلٹا زلزلہ ڈال دیا کھیتیاں اجاڑتا، باغات جلاتا، آبادیاں ویران بناتا، بڑھتا گیا۔ حتےٰ کہ قرطبہ کے نواح میں آپہنچا۔ اس کی سنگ دل فوج مضافات میں پھیل گئی، باغات اور کھیت جلا دئے، عمارتیں ڈھا دیں، محلات کھنڈر بنا دئے، مسلمانوں کا جی بھر کر قتل عام کیا۔ بھیڑ بکری کی طرح ذبح کیا۔ جلایا، آگ کا ایندھن بنایا، ہنستا کھیلتا قہقہے لگاتا، اشبیلیہ پہنچ گیا شہر کے نواح کی بستیاں جلائیں، باغات کاٹ ڈالے، جو مسلمان پایا، اسے تلوار کا مزہ چکھایا۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، کمزور اس کی تلوار کا لقمہ بنے۔

ابن ہود نے خبر پائی، مسلمانوں کا قتل عام اور عیسائی تووریوں کا اژدہام سنا، غرناطہ کو اس کے حال پر چھوڑا، محمد الاحمر کی دشمنی سے بے نیاز ہوا، اپنی فوج کو سمیٹا، ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوا، آرام حرام کیا۔ کھانا پینا بھولا، اسلامی غیرت جوش میں آئی، قومی حمیت نے اس جوش کو ابھارا وہ بڑھا، اڑا، قومارسد آ پہنچا۔ عیسائی فوج تیار تھی۔ لنگر لنگوٹ کس رکھے تھے، لڑائی کے لئے آمادہ تھی، مائل پیکار تھی۔

فرڈی نند اسلامی غیرت کے اس پیکر سے آگاہ تھا، اسے معلوم تھا کہ مسلمان اپنے بھائیوں کا خون گرتا دیکھ کر موت سے بے نیاز ہو جاتا ہے مگر اس نے اس غیرت کو اور آزمانا چاہا

ہزاروں مسلمان قیدی اشبیلیہ اور قرطبہ کے نواح سے پابند زنجیر وسلاسل کر رکھے تھے۔ انھیں ابن ہود کی فوج کے سامنے کھڑا کیا۔ ان میں بچے، بوڑھے اور عورتیں بھی تھیں۔ ظالم نے ذرہ بھر رحم نہ کھایا۔ اور مسلمان فوج کے سامنے، آنکھوں دیکھتے تلوار کا لقمہ بنایا۔ ان کی چیخوں سے فضا بھر گئی۔ ان کے خون سے زمین سرخ ہو گئی۔ بے جان لاشے تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے۔

ابن ہود پہلے ہی غصہ سے تلملا رہا تھا، اب آگ کا انگارہ بن گیا، اس نے اپنی تلوار نکالی، میان توڑ ڈالا، قبضہ پر ہاتھ رکھا، نعرہ تکبیر بلند کیا فوج نے بھی اس کی پیروی کی، اپنی تلواروں کے میان توڑ ڈالے، صبر وضبط کو چھوڑا، اللہ اکبر کا نعرہ مارا، اور اس طرح عیسائیوں پر گرے جس طرح باز چڑیوں کے جھنڈ پر حملہ کرتا ہے۔ یا شیر بھیڑوں کے گلے پر بڑھتا ہے۔ ان کے بازوؤں میں بجلیاں بھر گئیں۔ ان کی تلواریں برق تپاں بن گئیں، انھوں نے ہوش کو خیرباد کہا، عقل کو پیچھے چھوڑا، دنیا وجہان بلکہ خود اپنی جان سے بے نیاز ہو گئے، عیسائیوں کو مارتے، کاٹتے، گراتے، مسلتے، کچلتے دائیں، بائیں، آگے پیچھے اس طرح بڑھے، کہ عیسائیوں کی صفیں ٹوٹ ٹوٹ گئیں، لاشوں کو میدان جنگ میں بچھا دیا، گویا بڑے بڑے، موٹے موٹے درخت

کاٹ کر گرا دئیے، عیسائیوں کا خون اس طرح بہ رہا تھا۔ جیسے کسی دریا کا بند ٹوٹ گیا ہو۔ اور پانی بند کو پیچھے چھوڑ کر پھیلتا جائے۔

فرڈی ننڈ کی فوج کا جی چھوٹا، اس کی امید کا رشتہ ٹوٹا، وہ بھاگی، بکھری، پریشان ہوئی۔ مگر مجاہدوں کی تلواریں ان کے پیچھے تھیں، انھیں بار سر سے سبکدوش کرتی گئیں، مارتی گئیں، کاٹتی گئیں، زمین پر بچھاتی گئیں۔

فرڈی ننڈ نے بارہا فوج کو سنبھالا، مگر مسلمانوں کے حملوں نے اس کی بگڑی نہ بننے دی، جب کبھی فوج اکٹھی ہوئی مجاہدوں نے اس کے ٹکڑے اڑائے، بوٹیاں میدان میں بکھیر دیں۔ آدھی سے زیادہ فوج کٹ گئی۔ فرڈی ننڈ بھاگا، مجاہدوں نے تعاقب کیا، اور بھاگتے بھیڑیوں کو ہزاروں رسوائیوں کے ساتھ خون کے دریا میں غرق کر دیا۔

یہ وہی مقام تھا، وہی جگہ تھی، جہاں انھوں نے ہزاروں بے گناہ اور نہتے مسلمان مرد و عورت کو ابھی ابھی قتل کیا تھا۔ یہ ان کے ظلم کا انتقام تھا جسے ابن ہود کی تیغ بے دریغ نے لیا۔ اور ثابت کر دیا۔ کہ مسلمان کی غیرت کا مقابلہ ممکن ہی نہیں۔

رات کی بات

قوبارسہ کی شکست معمولی نہ تھی۔ کہ فرڈی نینڈ جلد سنبھل جاتا۔ مگر مسلمان حکمرانوں نے یہ موقع پیدا کر ہی دیا۔ آپس میں الجھے اور بری طرح الجھے۔ ابن ہود، ابن جمیل اور ابن الاحمر سے بر سر پیکار تھے۔ ملک بدنظمی کا شکار تھا۔ ابن ہود آپس کی لڑائی سے بچنا چاہتے تھے۔ مگر یہ دونوں حکمران ان کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔

فرڈی نینڈ نے موقع پایا۔ اس کے دل کی مراد پوری ہوئی۔ وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ نکلا، سرحدوں کو پامال کیا، بڑھا اور بڑھتا ہی گیا کسی نے اس کی راہ نہ روکی۔ وہ طلبیرہ سے گزرا، وہاں شمشیر و آتش کا کھیل کھیلا۔ اور قرطبہ کو آن گھیرا۔ ادھر ارغون کے بادشاہ جیمز نے ایک لاکھ کی جمعیت سے بلنسیہ پر چڑھائی کر دی۔

بلنسیہ مشرقی اندلس کا دروازہ تھا، اس کی فتح پر مشرقی صوبے

کی تقدیر بدل سکتی تھی۔ ابن ہود گھبرا گیا، اپنے تو دشمن تھے ہی اب دو بیگانے دشمن ملک میں بڑھے آرہے تھے۔ ان کی فوجیں آدمی نہیں تھے بھیڑیئے تھے، وحشی درندے تھے، جنگلی اژدہے تھے، کہ مارتے، کاٹتے، پھنکارتے ہر طرف تباہیاں پھیلا رہے تھے۔

ابن ہود سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ آخر وہ اٹھے اور المیریا کی طرف چل دئیے۔ تاکہ وہاں سے جہاز مہیا کریں۔ اور پھر بلنسیہ کی آزادی کے لئے بڑھیں وہ اسی تیاری میں تھے۔ کہ ابوجمیل کا قاصد پہنچا، مدد، مدد، مدد ——————"

ابن ہود جانتے تھے۔ کہ ابوجمیل ان کا دوست نہیں۔ مگر ایک مسلمان کی پکار سن کر رہ نہ سکے۔ فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ اور المیریا پہنچ گئے، رات آرہی تھی، سیاہی پھیل رہی تھی۔ اجالا سمٹ رہا تھا۔ ساحل پر آرام کرنے کی بجائے شاہی محل کو آرام گاہ بنایا۔

عورت، مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ ایک کنیز یا تمیز ایسی تھی۔ جسے دیکھ کر ابن ہود اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے اس قتالہ کے حسن جہاں سوز کے پروانے بن گئے، یہ قتالہ، حسن میں آفتاب و مہتاب کو شرماتی تھی، ناز و ادا میں بے مثال تھی، قد و قامت دلربا تھا، ابن ہود بادشاہ تھے، لونڈی آخر

لونڈی تھی، مگر بیوی سے عہد کر چکے تھے، کہ دوسری عورت نہ دیکھیں گے۔ انھوں نے اس کنیز کو المیریا بھیج رکھا تھا۔

المیریا میں ان کے حقیقی دوست ابن رمیمی تھے۔ وہ اس کنیز کے محافظ تھے، مگر حسن کا جادو، ابن رمیمی پر بھی چل گیا۔ دوست کی امانت سمجھ کر دل کڑا کیا۔ جب بے چینی بڑھی، عشق رسوائی کا طالب ہوا، تو شراب خانہ خراب کی مستی سے جی بہلایا۔ جتنا سودائے عشق بڑھتا گیا۔ اتنی شراب زیادہ کرتا گیا۔ حتے کہ دن رات مخمور رہنے لگا۔

حسینۂ دلربا کا حسن یاد آتا۔ تو آنکھوں میں بجلی کوند جاتی، آنسوؤں سے حسن کی اس چمک کو دھوتا، مگر یہ چمک بڑھتی ہی جاتی، دل پر چھریاں چلتیں، مژگان صنم یاد آتے تو دل تیر دل سے چھلنی ہو جاتا۔ ابرؤں کی یاد تیغ عشق چلا دیتی، جبین مبین یاد پڑتی، تو چاند ابر میں سے نکل آتا دن بھر وہی صورت آنکھوں میں پھرتی، دل میں اترتی، تانک جھانک کرتی اور زیر لب کہتی "ہمیں کب تک بھولے رہوگے"؟

عشق بے خرد ہے، بے ہوش ہے، بے ناموس ہے، حلال و حرام سے بے نیاز ہے۔ بے خودی لامحدود ہے۔ اسے کوئی محدود نہیں کر سکتا، عشق کی مستی کے ساتھ شراب کی مستی دیوانگی کا لامحدود صحرا ہے، وسیع جنگل ہے۔ جیسے

صرف قیس ہی عبور کر سکتا ہے۔ عقل یہاں پاؤں رکھنے سے بھی ہراساں ہو جاتی ہے۔ وساوس و اوہام اس کا دامن پکڑ لیتے ہیں۔

مستی و عشق میں طالب و مطلوب ملے اور مٹتے رہے۔ کنیز سچ مچ محبت کی چیز تھی، اسے بھی ابن رہمی سے عشق تھا ابن ہود بھی اسی شمع کے پروانہ تھے۔ مگر ہوشمند تھے دیوانہ تھے۔ ان کے سامنے قوم کی عزت و آبرو تھی۔ عشق و محبت بعد کے مشاغل تھے۔ وہ محل میں محو خواب تھے یاد دوست کی بے وفائی سے بے تاب تھے۔ رات کے پردے نے اس راز سے پردہ نہیں اٹھنے دیا۔ یہ راز رہا اور رہے گا۔

صبح ہوئی انسان، حیوان، پرندے سب جاگے۔ مگر ابن ہود سوتے ہی رہے اور ایسے سوئے، کہ حشر کے دامن سے دامن باندھ لیا، دوست، دشمن سب سے بے نیاز ہو گئے۔ ان کا خون فرش پر بہہ کر جم چکا تھا، وہ شیر جو کسی دشمن سے ہار نہ مانتا تھا۔ دوست کے گھر میں رات مات کھا گیا۔ اور مسلمانوں کو زوال و ملال کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے کے لئے چھوڑ گیا۔

جنگ العقلعہ

آپس کی نااتفاقی، دن رات کی باہمی چپقلش نے عیسائیوں کو بڑھایا، اندلس کا بیشتر علاقہ عیسائی مملکت بن گیا۔ صرف غرناطہ محفوظ تھا جہاں دن رات مسلمانوں کے لٹے پٹے قافلے پہنچ رہے تھے۔

قشتالیہ کے فرڈی ننڈ اور ارغون کے شاہ جیمز مسلمانوں کے قتل عام میں مصروف تھے۔ سارا یورپ، پادری، پوپ ان کی مدد پر تھے۔ اندلس کے مسلمانوں سے لوٹی ہوئی دولت ان کے ساتھ تھی۔ اور وہ اس کوشش میں تھے۔ کہ اندلس سے مسلمانوں کو بیک بینی و دو گوش باہر نکال دیں۔ اور ان کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیں۔

جب یہ عیسائی دشمن اندلس کو کنگال چکے۔ تو اب غرناطہ کے سوا کوئی اور شکار نظر نہ آیا۔ حوصلے بڑھے ہوئے تھے، فتح پر فتح حاصل ہو رہی تھی۔ عیسائی بھیڑیئے شیر ہو رہے

تھے۔ اسلامی خون کی چاٹ پڑ چکی تھی۔ بے خطر ہو کر غرناطہ پر بڑھے۔

ابن الاحمر غرناطہ کو محفوظ کرنے میں مصروف تھے، بے گھر اور بے زر مسلمانوں کی آبادکاری میں لگے تھے۔ کہ فرڈی ننڈ جیان آپہنچا۔ ابن الاحمر نے کچھ سوچا۔ فوج ساتھ لی جس میں تین ہزار سوار اور چند ہزار پیادے تھے، جیان کی طرف باگیں اٹھائیں۔ اور خدا کا نام لے کر چل پڑے۔

فرڈی ننڈ کی فوج کا شمار نہ تھا، وہ ایک ٹڈی دل کی طرح منڈلا رہی تھی۔ اپنے نئے شکار کے انتظار میں تھی۔ ابن الاحمر نے مقابلہ پر اپنی فوج اتار دی۔ مگر سوچ رہے تھے، کہ مقابلہ کیوں کر ہوگا؟ اگر یہ چند ہزار بھی مارے گئے، تو اندلس میں اسلامی حکومت کے خاتمہ پر آخری مہر لگ جائے گی۔ انھوں نے آخری فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنی چھاؤنی سے تن تنہا نکلے، فوج کو بے خبر رکھا۔ رات کے اندھیرے نے انھیں چھپایا۔ وہ بے باکانہ فرڈی ننڈ کی چھاؤنی میں آ گئے۔

پہرہ داروں نے ایک خوبصورت وجیہ و نجیب سردار کو دیکھا۔ تو مرعوب ہوئے، فرڈی ننڈ کے خیمے میں لے گئے، ابن الاحمر شاہانہ وقار کے ساتھ خیمے میں داخل ہوئے فرڈی

نند تخت پر بیٹھا تھا، دیکھتے ہی اٹھا۔ اور ابن الاحمر کو سینے سے لگا لیا۔ بڑی محبت سے پیش آیا۔ باتیں ہوئیں۔ اور یہ معاہدہ طے پایا۔ کہ ابن الاحمر فرڈی نند کو ہر سال پچاس ہزار اشرفی نذر کیا کرے گا۔ اور ضرورت کے وقت فوج سے امداد کرے گا۔

فرڈی نند غرناطہ کی حدوں کا احترام کرے گا۔ اور غرناطہ کے دشمنوں کو اپنا دشمن تصور کرے گا۔ جو لوگ غرناطہ پر فوج کشی کریں گے ان سے لڑے گا۔ اور کسی مدد سے دریغ نہیں کرے گا۔

معاہدہ ہو گیا۔ مگر پادری مخالف ہو گئے۔ وہ اس پھنسے ہوئے باز کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کا ستارہ بھی ڈوب جائے۔

فرڈی نند واپس ہوا، تو ابن الاحمر غرناطہ آئے۔ سارے ملک کا دورہ کیا۔ قلعے اور برج درست اور مضبوط کرائے، اندرونی انتظامات کو ٹھیک کیا۔ پچاس ہزار اشرفی ادا ہوتی رہی، فرڈی نند مر گیا۔ مگر خراج ابھی تک زندہ تھا۔ الفانسو نے فرڈی نند کا تخت سنبھالا۔ اور المغرب کو دوبارہ لوٹنے کے لئے چل پڑا۔ ابن الاحمر کو مدد کے لئے لکھا۔ کہ جلد آؤ، ہم

المغرب کے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے جا رہے ہیں"۔

الفانسو، المغرب پر طوفان بن کر جھپٹا، جہاں کہیں کوئی مسلمان دیکھا، پایا، سنا، وہیں پہنچا، اور اسے تلوار کا لقمہ بنایا۔ گھر بار لوٹ لیا، عورتوں اور بچوں کو ہنکایا۔ اور قشتالیہ کے بازاروں میں پہنچایا۔ چھ مہینے تک یہ کھیل ہوتا رہا۔

المغرب اور مرسیہ کے رؤسا کا ایک وفد غرناطہ پہنچا، مسلمانوں کی حالت زار رو رو کر بیان کی، عیسائیوں کے مظالم سنائے، اپنی بربادی کے واقعات بتائے، آہوں کے دھوئیں اڑائے۔ مدد کے لئے درخواست کی۔

ابن الاحمر نے یہ سب کچھ سنا، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہ نکلا، ہچکیوں نے بات کاٹ کر رکھ دی، مگر بادشاہ نے اپنی بات مکمل کر ہی لی۔ اس نے کہا۔ اتفاق کے سوا ممکن ہی نہیں کہ ہم عیسائیوں کے سیلاب کو روک سکیں۔ کاش ہمارے دوسرے بھائی بھی ہماری مدد کریں!

رؤسا نے پوچھا۔ ہمارے پاس مدد کے لئے کیا ہے؟ اگر ہم اس قابل ہوتے، تو خود ہی مقابلہ کر لیتے۔ اور الفانسو کو وہ شکست دیتے کہ یاد ہی تو رکھتا۔

ابن الاحمر نے کہا۔ عیسائی اس وقت پوری طاقت میں ہیں۔ سارا یورپ اپنے پادریوں سمیت ان کی پشت پر

ہے۔ مسلمانوں کی صدیوں کی جمع کی ہوئی دولت ان کی جھولی میں ہے۔ ہماری آپس کی جنگ وجدل نے انھیں فتح مند بنا دیا ہے۔ اور ان کے حوصلوں کو بہت بڑھا دیا ہے۔ اب اگر مرسیہ کے لوگ بغاوت کر دیں اور جب دشمن ادھر توجہ کرے۔ تو المغرب کے مسلمان اٹھ کھڑے ہوں۔ تو عیسائیوں کی طاقت بٹ جائے گی اور جب الفانسو ادھر متوجہ ہوگا۔ تو میں دوسرا محاذ کھول دوں گا۔"

مقررہ وقت پر مرسیہ کے مسلمانوں نے بغاوت کر دی۔ عیسائی فوجیں بڑھیں۔ تو انھیں اتنا مارا کہ زمین نے سرخ قبا پہن لی۔ اتنا دبایا کہ وہ اپنا سامان تعیش بھی چھوڑ بھاگیں المغرب میں بھی یہی حال ہوا، عیسائیوں کو خوب مار پڑی۔ اور اپنی غنیمتوں کے بوجھ دے کر سبکدوش ہوئے۔

الفانسو نے ابن الاحمر سے مدد کی درخواست کی۔ بادشاہ نے ٹالنا چاہا۔ تو الفانسو نے جھنجھلائے ہوئے بھیڑیئے کی طرح غرناطہ کی سرحد کو پامال کر دیا اور القلعہ پر حملہ کر دیا۔ ارد گرد کا علاقہ روندا، مسلمانوں کو قتل کیا۔ اور خوب لوٹ مچائی۔

ابن الاحمر شیر کی طرح بڑھا۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور دشمن سے خوفناک ٹکر لی۔ دشمن کی صفیں الٹ دیں، ترتیب کو بے ترتیب کر دیا اور ایسے بڑھ بڑھ کر حملے کئے کہ

الفانسو کی ستی گم ہو گئی، اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ گھبرایا اور شکست کھا کر پیچھے ہٹا۔ ابن الاحمر نے اسے خوب مارا، عیسائی بہادروں کی لاشیں بکھر بکھر گئیں، ان کے لہو سے زمین پر گل لالہ کھل گیا۔ مسلمانوں کے خون کا بدلہ خوب لیا۔ اور عیسائیوں کو بھگا بھگا کر مارا۔ جنگجو عیسائی اتنے قتل ہوئے، کہ ہر طرف لاشیں بچھ گئیں۔ پادری اپنی صلیبوں سمیت لقمۂ اجل بنے، عیسائی ریاستیں آہ و بکا کے سمندر میں ڈوب گئیں۔

یہ اندلس میں مسلمانوں کے زوال کے ایام تھے۔ مگر اس زوال میں بھی کمال پوشیدہ تھا، اسلامی جذبہ، اسلامی اخوت، اسلامی ہمدردی کارفرما تھی یہی چنگاریاں تھیں۔ جو مسلمانوں کی راکھ سے نکل کر دشمنوں کے خرمن کو جلا رہی تھیں۔ اس وقت ساتویں صدی ہجری اپنے ساٹھ سال ختم کر چکی تھی،

کاش مسلمان حکمران اب بھی سمجھ جاتے۔ اتفاق کی داغ بیل ڈالتے، متحد ہوتے اور کمینے دشمنوں کو چھوڑ کر اپنے بھائیوں کے بھائی بنتے، اپنی بگڑی کو بناتے، اسلام کے وقار کو بڑھاتے زوال سے پیچھا چھڑاتے اور عروج سے جی لگاتے۔

جنگ اکیجہ (۱)

ابن الاحمر نے فرشتۂ موت کو لبیک کہا۔ توان کے ولی عہد محمد ثانی نے تخت سلطنت کو زینت دی۔ غرناطہ کے چاروں طرف عیسائی اور باغی امرا نے غدر مچا دیا، جگہ جگہ تباہی وبربادی کی بجلیاں لہرائیں۔ محمد ثانی کے لئے دنیا تنگ ہو گئی۔ مسلمانوں کے لئے ذلت وتحقیر کا صحرا وسیع ہو گیا۔ لٹیروں کے بازوؤں میں بل آگیا، غنڈوں کے ہاتھ کھل گئے الفانسو اور اس کی حسین ملکہ باغی امرا سے گھل مل رہے تھے، انھیں اپنا آلۂ کار بنا کر غرناطہ کو تباہ کرنے پر تل رہے تھے۔ کہاں ایک محدود قطعہ ملک غرناطہ اور کہاں سارا اندلس اور سارے یورپ کی طاقت کا بھروسہ،

محمد ثانی حیران تھے، پریشان تھے، کہ اگر یہ سات سو مربع میل کا علاقہ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ تو اندلس کی سرزمین مسلمانوں کو کہیں پناہ نہ دے گی ان کے لئے کوئی ملجا وماویٰ نہ ہوگا۔ یہ

تلوار کے گھاٹ اتار دئے جائیں گے۔ ان کی عزت اور ناموس سے ہولی کھیلی جائے گی، ان کے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا جائے گا، مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا اور ان سے صدیوں کا انتقام لیا جائے گا۔

باغی امرا، الفانسو کی مدد سے طاقتور ہو رہے تھے۔ وہ غرناطہ کی حدود پر گرتے، حملے کرتے، لوٹتے، مارتے، اپنے مسلمان بھائیوں کو کاٹتے، اپنے دامن زر وسیم سے بھرتے اور اپنے علاقہ میں چلے جاتے۔

محمد نے دیکھا۔ کہ عیسائی حکمران اور باغی اتنے طاقتور ہو چکے ہیں۔ کہ اب انھیں کوئی بڑی طاقت ہی کمزور کر سکتی ہے۔ اندلس کے مسلمانوں میں نہ اتفاق ہوگا، نہ قومی حمیت جاگے گی، نہ اسلامی اخوت کا احیا ہوگا، وہ ملّی عزتوں سے بے نیاز ہیں۔ عیسائیوں کے ساتھ مل کر آمادۂ تگ و تاز ہیں، مسلمانوں کے قتل، خونریزی، تاخت وتاراج پر ان کا دل نہیں کڑھتا۔ تو اس نے تونس کے بادشاہ محمد بن یوسف سے مدد کی درخواست کی۔ اسلامی غیرت اور مسلمانوں کی عزت کا واسطہ دیا۔ طریفہ اور الجزیرہ کی پیشکش کی۔ محمد یوسف نے فوراً سترہ ہزار سپاہیوں کو طریفہ اور الجزیرہ بھیج دیا۔ اور ہر طرف جہاد کے نعرے لگنے لگے، مراکش کا ساحل

تک اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا۔ مجاہد ذوق شہادت سے سرشار ہو گئے، ہر طرف ہتھیار ہی ہتھیار ہو گئے مراکش فوج کا مرکز مقرر ہوا، مجاہدوں کے دل آتے تھے اور مراکش کا ساحل چھاؤنی بنتا گیا۔ تلواروں کی دھاریں بے قرار تھیں، نیزوں کی زبانیں دشمن کا لہو چاٹنے کے لئے ابھر رہی تھیں۔ گھوڑے ہنہنا کر میدان جنگ مانگتے تھے۔ ان کے پاؤں دشمنوں کو روندنے کے لئے آمادہ و تیار تھے۔ مجاہدوں کے سینے انتقام کے نشے سے سرشار تھے۔ اللہ اکبر کی آوازیں جوش جہاد کو ابھارتی تھیں۔ ان کی زبانیں ھو اللہ احد پکارتی تھیں۔ عیسائیوں کے دل کانپ رہے تھے۔ ان کے سینے بے طرح ہانپ رہے تھے۔ انھیں اپنے مظالم یاد آ رہے تھے۔ کئے ہوئے ستم ڈرا رہے تھے۔

مراکش سے روانگی کا دن آیا۔ تو مجاہدوں کی تکبیروں سے ساحل جاگ اٹھا۔ سمندر کی خوابیدہ لہریں آنکھیں ملتی ہوئی اٹھیں۔ اور مجاہدوں کی یلغار کا منظر دیکھنے لگیں۔ سوار فوج کو جہازوں نے اپنے سینۂ بے کینہ پر لیا۔ سطح بحر نے جہازوں کو اٹھایا۔ ساحل اندلس پر پہنچایا۔ یہ فوج ساحل پر اتری۔ تو پیادہ فوج جہازوں کے سینے پر چڑھ بیٹھی۔ نعرے لگاتی، رزمیہ گیت گاتی اندلس کے ساحل پر آئی۔ سب سے

آخر میں شاہ مراکش جہاز پر بیٹھے اور لہروں کے دوش پر چلتے جہاز انھیں اپنی فوج میں لے آئے۔ شاہ غرناطہ کے وزرا نے جزیرۃ الخضرا پر استقبال کیا۔ فوج آگے بڑھی۔ غرناطہ کے دروازے پر شاہ غرناطہ نے استقبال کیا۔ فوج چھاؤنی میں اتری۔ خیمے ڈیرے لگ گئے۔ تکبیر کے نعروں سے غرناطہ کی فضا گونج اٹھی۔ اندھیری رات میں چاند نکل آیا۔ مایوسی امید میں بدل گئی۔

شاہ مراکش اور وزرا شاہی محل میں آئے۔ مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ حالات کو جانچا گیا۔ فضا کو ناپا گیا۔ طے پایا۔ کہ دشمن پر تین طرف سے حملہ کیا جائے۔ شاہ مراکش اسیجہ کی طرف یلغار کریں۔ ملاغہ، قادس اور تومارس کے والی قرطبہ پر بڑھیں۔ اور شاہ غرناطہ جیان کی خبر لیں۔

یوسف کی آمد سے عیسائی دنیا میں زلزلہ آگیا۔ وہ کانپ کانپ گئی۔ فتح کو شکست میں تبدیل ہوتے دیکھا۔ تو جان پر کھیل جانا بہتر سمجھا۔ ایک ایک عیسائی ہتھیار باندھ کر آیا۔ شمشیر و سنان سے سج کر نکلا، مجاہدوں کے راستے کا کانٹا بنا، جان کی بازی لگا دی، موت کو پکارا، زندگی کو للکارا، مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کے لئے بڑھا۔ ڈان نونیو کو سپہ سالار و امیر حرب و پیکار کا خطاب ملا۔

ڈان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً اسپیچ پہنچا۔ اور شاہ مراکش کا راستہ روک کے کھڑا ہو گیا۔ فوج کو کیل کانٹے سے لیس کیا، ترتیب کو سنبھالا، بہادر فوجی افسروں سے میمنہ اور میسرہ کو مضبوط کیا۔ قلب لشکر کو اپنی بہادری اور طاقت سے چٹان بنایا۔ اور اس طرح خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا کہ گویا مجاہدوں کی یلغار کے سامنے لوہے کا پہاڑ تھا۔ جسے اپنی جگہ سے ہلانا ممکن نہ تھا۔

مجاہد پہنچے۔ تو میدان کو دشمنوں سے بھرپور پایا۔ کچھ فاصلہ چھوڑا اور اتر پڑے، خیمے ڈیرے اتارے، گھوڑے ہنہنائے، زمین پر سم مارنے لگے گویا کہہ رہے ہیں۔ ابھی حملہ کرو، دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہ دو۔

شاہ مراکش نے جلد جلد فوج کی ترتیب درست کی۔ صفیں بنائیں۔ نعرۂ تکبیر لگایا۔ اور اپنی فوج کو آگے بڑھایا۔ سپاہیوں نے غارا شگاف تلواریں سنبھالیں، نیام توڑ کر پھینک دیئے، نیزے ہلائے، خنجر چمکائے، برچھے اٹھائے، یوسف خود قلب کی فوج کو لے کر بڑھے، میمنہ اور میسرہ پھیلنے لگا۔ دونوں فوجیں مل گئیں۔ بازو حرکت میں آ گئے۔ تلواریں اپنا کام کرنے لگیں۔ نیزے خون چاٹنے لگے، برچھے زخموں پر زخم لگانے لگے۔

یوسف بڑھے، گھوڑے ہوا ہو کر اڑے، تلواروں کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ نیزے شعاع آفتاب کو شرمانے لگے میدان رستا خیز گرم ہو گیا، عیسائیوں کے گلے کٹنے لگے، اعضا کٹ کٹ کر گرنے لگے، سر دھڑ سے جدا ہونے لگے، خون کا دریا بہ نکلا۔ رن کی زمین سرخ ہو گئی عیسائی دبے، پیچھے ہٹے، شہزادہ ڈان نے اپنی فوجوں کو للکارا، سانپ کی طرح پھنکارا، مقدس مریم کا نام پکارا، بیٹے کی آبرو کا واسطہ دیا بہشت کا لالچ دلایا، دوزخ کی آگ سے ڈرایا۔

عیسائی جوش کھا کر بڑھے۔ مگر مجاہدوں نے انھیں اس طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ گویا وہ بڑے اصیل دنبے تھے، جنھیں عید قربان پر ذبح کیا گیا تھا۔ مجاہدوں کی رزم آرائی، تلواروں کی میدان کشائی، گھوڑوں کی تیز پائی نے عیسائیوں کے چھکے چھڑا دیئے، وہ جتنی بار بڑھے۔ اتنی ہی بار منہ کی کھائی۔ جب تلواروں کا موسلا دھار مینہ برسنے لگا، تو صفیں بے ترتیب ہو گئیں، ترتیب ٹوٹ گئی، ادھر ادھر بھاگنے اور جائے پناہ تاکنے لگے۔ مجاہدوں کے میمنہ و میسرہ نے انھیں گھیرے میں لے لیا۔ یوسف نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ مجاہدوں نے آواز سے آواز ملائی۔ تلواروں نے نئی زندگی پائی، نیزوں نے اپنی زبان ہلائی اور دشمن کو اس طرح کاٹ کر پھینک دیا کہ

ہر طرف لاشوں کا فرش بچھ گیا۔ لہو میں ڈوبی ہوئی سفید سفید لاشیں یوں معلوم ہوتی تھیں۔ کہ دریائے سرخ میں مرغابیاں نہا رہی ہیں۔

ڈان نے اپنی فوج کو بچانے اور موت کے ہاتھ سے چھڑانے کی بہت کوشش کی۔ مگر مجاہدوں کی تلوار نے ہر دفعہ اسے ناکام کیا۔ جب فوج کٹ گئی۔ اور اکا دکا عیسائی بھاگ رہے تھے۔ تو ڈان نے بھی میدان سے نکل جانا چاہا۔ وہ اپنے گھوڑے کی باگیں تھامے کھڑا تھا۔ برہنہ شمشیر اس کے ہاتھ میں چمک رہی تھی۔ ایک مجاہد نے اسے تاکا۔ گھوڑے کو اشارہ کیا۔ اس نے چاروں سم اٹھا کر چھلانگ لگائی۔ اور ڈان کا، راستہ روک لیا۔ ڈان نے دو ایک ہاتھ مارے۔ مگر مجاہد نے اس کا پروار خالی دیا۔ ڈان جدھر نکلنا چاہتا۔ مجاہد اس کا اس کا راستہ روک لیتا۔ آخر اپنے شکار پر اس طرح گرا۔ کہ ڈان کا سر کٹ کر گھوڑے کے پاؤں میں لڑھک گیا۔ اور بے جان لاشہ گھوڑے کی پیٹھ سے ایک طرف جھک پڑا۔ مجاہد نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، دشمن کے سر کو اٹھایا، نیزے پر چڑھایا اور سارے میدان میں پھرایا۔

اس میدان سے ایک عیسائی بھی بچ کر نہ نکل سکا۔ ڈان کا سر شاہ غرناطہ کے حضور پیش ہوا۔ اس کی ہلاکت سے عیسائی دنیا

میں زلزلہ آگیا اور وہ بید مجنوں کی طرح کانپنے لگی۔

فوج اپنے سپہ سالار سمیت کٹ گئی۔ تو امیر یوسف اسپجہ پر بڑھے۔ قرطبہ کے نواح میں زلزلہ ڈال دیا۔ عیسائیوں کے ہوش اڑ گئے۔ ان کے حواس بگڑ گئے، ان کے سارے منصوبے ناکام ہو چکے تھے۔

شاہ غرناطہ نے طوف اور مارطوس کے علاقہ میں وہ تباہی مچائی۔ کہ عیسائی پادری تک گرجے چھوڑ چھوڑ کر بھاگے صلیبیں ہر طرف بکھری پڑی تھیں اور ان کی عبائیں ان کے وجود کو ترس رہی تھیں۔ بے شمار دشمن ذلت کی رسیوں میں جکڑے پڑے تھے۔ اور ان کے اموال کے گٹھر مجاہدوں کے پاؤں میں رکھے تھے۔

جنگِ اسیجہ (۲)

ڈان کی جان لینے کے بعد امیر یوسف نے اسیجہ کو گھیر لیا۔ فوج کا ایک حصہ محاصرہ میں مصروف ہوا۔ دوسرا قرطبہ کے نواح میں پھیل گیا۔ اور وہ تباہی پھیلائی۔ کہ عیسائی دنیا گھبرا اٹھی۔ عیسائیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ مگر یہ سب اپنا کیا دھرا تھا جب تک ان کی تلواریں بے گناہ مسلمانوں کی گردنیں کاٹتی، خون بہاتی، لہو چاٹتی، خون کے دریا بہاتی رہیں۔ انھیں رحم نہ آیا۔ انسانیت تڑپی، چیخی، چلائی، مگر ان کے دل پر اثر نہ ہوا۔ انھیں کمزوروں اور بے بسوں پر ترس نہ آیا، ان کا دل نہ پسیجا۔ مگر اب روئے، چیخے، چلائے، ظلم، ظلم کے فغان اٹھائے۔

اسی دوران میں شاہ غرناطہ اپنی فوج لے کر نکلے، جیان کی سرحد کو عبور کیا۔ طوف اور مارطوس کے علاقوں میں بڑھے۔ شہباز کی طرح جھپٹے، سیلاب کی طرح چڑھے، عیسائیوں کے

مظالم یاد کئے۔ اور انھیں ان کے ظلم کی سزا دینے کے لئے شمشیر بے نیام کے قبضہ پر ہاتھ رکھا جیالوں، مجاہدوں کے خون کو گرمایا۔ اور اپنی سپاہ سے فرمایا:۔

"مجاہدو! بہادرو!! شاہسوارو!!! بڑھو، بازوں کی طرح جھپٹو، ظالموں سے ظلم کا بدلہ لو، انتقام کی آگ میں انھیں جلاؤ، اور ایسا بھسم کرو کہ ان کا غبار تک بے آثار ہو جائے، اسلام کا نام بلند کرو، غازی بن کر جیو اور شہید ہو کر مرو۔ تمھاری تلواریں اپنے دشمنوں کے خون سے رنگین ہوں اور تمھارے چہرے تمھاری فتح سے سرخ رو ہوں۔ باطل کو فنا کرو۔ تاکہ حق کا نام بلند ہو"

مجاہد پہلے ہی تاؤ میں تھے۔ اس تقریر سے آگ ہو گئے۔ تلواریں علم کیں۔ میان توڑ کر پھینک دئے، نیزے لہرائے، اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگایا دشت و جبل کو ہلایا، گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں۔ انھیں ایڑیوں سے گرمایا۔ عیسائی علاقے میں عیسائیوں کے سوا کیا تھا؛ جو سامنے آیا۔ تلوار کے گھاٹ اترا، جس نے راستہ روکا، اس کا سفر اڑ گیا۔ بستیاں ویران، آبادیاں پریشان ہو گئیں۔ جو بچے وہ جنگلوں میں بھاگ گئے کھندروں میں سر چھپایا۔ غاروں میں گھسے، بیوی بچوں کو چھوڑا، بیابانوں

سے دشنہ جوڑا، کٹے کی سزا پائی، اپنے مظالم کی یاد آئی رو ئے، چیخے، الامان والحفیظ پکارا، شاہ غرناطہ کی دہائی دی۔ انھیں رحم آیا، مجاہدوں سے فرمایا۔

"بہادرو! اسلام کے سپوتو!! دشمن ہارا، تم نے جہاد کا حق ادا کر دیا۔ اب شمشیر بے نیام کو نیام کرو، جو پناہ مانگے۔ اسے پناہ دو جو بھاگے اس کا پیچھا نہ کرو۔ ابھی بہت سے مواقع آئیں گے۔ جن میں ظالم پچھتائیں گے"۔

الغرض مال غنیمت جمع کیا۔ اور غرناطہ کو واپسی کا حکم دے دیا۔ غازی واپس ہوئے تو عیسائیوں نے چین کا سانس لیا۔ طلیطلہ میں اندلس کے عیسائی جمع ہوئے۔ بڑی تیاری کی، فوجوں کی فوجیں جمع ہوئیں۔ ڈان سانچو کو سپہ سالار بنایا اپنی فوجوں کے لہو کو گرمایا، پادریوں نے انجیل ہاتھوں میں اٹھائی، دشمنی کی آگ جلائی، امیر ابویوسف پر بڑھے۔ ڈان سانچو، جوان خون، جوان دل تو تھا ہی۔ اپنی فوج کو لے کر طلیطلہ سے نکلا، اکڑتا، بپھرتا، بکتا جھکتا، دشنام طرازی کرتا، عیسائیت کی فتح کے جیکارے لگاتا آیا۔ اور فوراً حملہ کر دیا مجاہدین بھی بے خبر نہ تھے۔ انھوں نے تلواروں سے استقبال کیا۔ دونوں فوجیں ملتے ہی تلوار کا کھیل شروع ہو گیا۔ نیزوں کی کھچا کچ کا

شور مچ گیا، اللہ اکبر کے نعرے فضا میں گونجے، صلیب کے ٹکڑے زمین پر بکھرے، اسلامی تلواریں لہو میں بھیگ بھیگ کر نکلیں۔ دشمنوں کے خون سے سیراب ہوئیں عربی نیزوں نے دشمنوں کے سینوں میں اس طرح چھید کئے، کہ ان کے جسم سے لہو کی ایک ایک بوند نچوڑ لی۔ برچھوں نے بوٹیاں، نوچ لیں۔ میدان کو لالہ زار بنایا، اتنا مارا، کہ میدان میں گل لالہ کھل گیا، لہو کے دریا بہ گئے۔ گھوڑوں کے سموں کو مہندی لگ گئی۔ دشمنوں کے لہو سے مجاہدوں کے کپڑے چھینٹم چھینٹ ہو گئے۔ انہوں نے انھیں گھیر گھیر کر مارا، گھوڑوں کے سموں سے لتاڑا، کچلا، پلیسا، بھگایا، پکڑا، قیدی بنایا، سپہ سالار ڈان سانچو اسلامی کمند کا شکار ہؤا، غرور تکبر بے کار ہوا۔ پکڑا، رسیوں میں جکڑا، ابو یوسف کے سامنے لایا گیا۔ اندلسی مجاہدوں نے کہا۔ اسے ہمیں دو، افریقی مجاہد بولے ہم نے اسے گرفتار کیا، یہ ہمارا شکار ہے۔ میں میں، تو تو ہوئی، آپس، کی مخالفت بڑھی، قریب تھا۔ کہ دونوں فوجیں الجھ پڑیں۔ ایک بوڑھا مجاہد آگے بڑھا۔ معزز قیدی کو اپنے نیزے پر اٹھایا اور بے جان کر کے زمین پر گرایا اور کہا۔

”دو مجاہدوں کے آپس میں لڑنے سے اس کتے کی موت بہتر ہے“

غرض مجاہدوں کی خانہ جنگی رک گئی۔ مگر دل غبار آلودہ ہو گئے۔ امیر ابو یوسف نے اپنی راہ لی۔ اور شاہ غرناطہ اپنے دارالحکومت کو لوٹ گئے۔

جنگ جزیرۃ الخضرا

جزیرۃ الخضرا پر امیر ابو یوسف کا تسلط تھا۔ وہ خود مراکش میں تھے۔ الفانسو نے موقع پایا۔ اپنا لاؤ لشکر بڑھایا اور جزیرۃ الخضرا پر چڑھ آیا۔ خشکی کے راستے بڑھا، اور سمندر کے راستے چڑھا۔ جزیرۃ الخضرا پر خشکی اور سمندر کے راستے بند کر دیئے مضافات پر تاخت و تاراج کی۔ کھیت اجاڑے، باغات اکھاڑے، بستیاں ویران کیں۔ آبادیاں پریشان کیں مسلمانوں کو مارا، کاٹا، کچلا، لوٹا، عورتوں کو بے آبرو کیا، بچوں کو نیزوں پر اچھالا، اور وہ وہ مظالم ڈھائے جن سے انسانیت شرما شرما جائے۔ مگر ان عیسائی درندوں کے دل نہ شرمائے۔ بڑی بڑی منجنیقیں لگائیں، قلعہ شکن گلیں گڑگڑائیں، من من کے پتھر برسائے، آگ کے طوفان اٹھائے، کاخ و ایوان جلائے۔ مگر ان مصائب سے محصور نہ گھبرائے۔ وہ دن بھر قلعہ کی حفاظت میں لگے رہتے، دشمنوں کے مظالم سہتے،

رات کو موقع پاتے، قلعہ سے باہر آتے، دشمن پر شب خون مارتے، اسے للکارتے، اللہ اکبر کے نعرے لگاتے، مارتے کاٹتے، ریلتے، دباتے، قلعہ سے دور پہنچاتے اور آپ پھر قلعہ کی پناہ میں چلے جاتے، مہینوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

الفانسو قلعہ کو قبضانے نے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے میں جتنی کوشش کرتا، مسلمان اسے بیکار کر دیتے، وہ بھوکے پیاسے رہتے، دن رات دشمنوں کے زخم سہتے، مگر ہتھیار ڈالنے کا نام نہ لیتے۔ کئی ماہ کی مسلسل پیکار سے دوچار رہے باہر سے کوئی مدد نہ آئی، کیونکہ دشمن نے خشکی اور تری کے راستے مسدود کر رکھے تھے۔ قلعہ میں قحط پڑ گیا۔ بھوک نے پریشان کر دیا، دشمن نے حیران کر دیا، خدا کے سوا کوئی معاون نظر نہ آیا، انھوں نے اسی سے دل لگایا، دعائیں مانگیں، خدا کے حضور گڑگڑائے۔ کمر ہمت میں خم نہ آنے دیا، استقلال کو دل سے لگایا، موت کے خوف کو ٹھوکروں سے بھگایا اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، گردن کو اکڑایا، سینے کو تانا، ہتھیاروں کو بجایا، اور دشمن کا مقابلہ اس جرأت سے جاری رکھا کہ وہ خود پریشان نظر آیا۔

قلعہ تو قحط سے دوچار تھا ہی۔ عیسائی چھاؤنی میں بھی قحط پڑ گیا۔ بھلا اتنا بڑا لشکر، مہینوں کی لگاتار جنگ، دن رات کی تگ و

دو، مضافات ویران، آبادیاں سنسان، خوراک نے ساتھ نہ دیا جی چھوٹ چھوٹ گئے، دل ٹوٹ ٹوٹ گئے، بازوؤں کی توانائی گھٹی، غذا کی کمی بڑھی، جزیرۃ الخضرا سانپ کے منہ میں چھچھوندر نہ اگلے چین نہ نگلے چین،

شاہ مراکش تک خبریں پہنچیں، عیسائیوں کی یورش کا حال سنا، ان کے ظلم کی داستانیں عام ہوئیں۔ امیر ابو یوسف غصہ سے کانپ گئے۔ اپنے بحری بیڑے کو حکم دیا، "بڑھو، اپنے بھائیوں کی مدد کرو، ظالموں کو بھگاؤ، انھیں ان کے مظالم کا مزہ چکھاؤ"

حکم ملتے ہی بحری بیڑا حرکت میں آیا۔ اور عیسائی جہازوں سے آن ٹکرایا۔ مجاہدوں نے جان کی بازی لگا دی، اپنے جہازوں سے کودے اور دشمن کے جہازوں پر پھلانگ گئے، سمندر کی سطح پر عیسائیوں کا اس طرح شکار کیا۔ گویا وہ مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔ سطح بحر پر لہو کی تہ جما دی، نیلے پانی کو سرخ چادر اڑھا دی، جہازوں میں آگ لگا دی، وہ جلے، ان کے تختے اچھل اچھل کر سمندر میں گرے، پانی میں آگ لگ گئی، دھوئیں سے فضا تاریک ہو گئی۔ جو جہاز بچے۔ وہ بھاگے، اور فضا کی تاریکی میں گم ہو گئے۔

محصور مجاہدوں نے یہ حال دیکھا تو ان کے حوصلے بڑھے،

قلعہ سے نکلے، اللہ اکبر کے نعرے لگائے، تلواریں علم کیں اور الفانسو کی فوج پر آگرے، وہ تلوار چلائی، ایسی شجاعت دکھائی کہ الفانسو کی چھاؤنی ہی الٹ دی۔ وہ اپنی فوج سمیت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا، بے شمار لاشیں میدان میں چھوڑ گیا۔

مسلمانوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ اور خدا کے حضور سربسجود ہو گئے۔ جس نے اپنی رحمت سے اس زحمت کو ٹالا، اور مسلمانوں کے دلوں کو سنبھالا۔ ورنہ اس مصیبت کا مداوا نہ تھا۔ اور ان مسلمانوں کے لئے کوئی ملجاو ماوے نہ تھا۔

فتح کی خبر مراکش پہنچی۔ تو امیر ابو یوسف خوش ہو گئے، خدا کا شکر ادا کیا۔ اور ایک بڑی فوج کے ساتھ جزیرۃ الخضرا آئے مسلمان مجاہدوں کو آفرین کہی، قلعہ کے برجوں کی مرمت کرائی؛ سامان حرب جمع کیا اور اسے ہر طرح محفوظ اور مامون کر کے واپس چلے گئے۔

جنگ مدینہ عبیدہ

جزیرۃ الخفرا سے فرار کی خبروں نے انتشار پایا۔ تو شاہ غرناطہ نے ہمت کے گھوڑے کو ایڑ لگائی، ایک جرّار فوج ساتھ لی اور قرطبہ کی حدود کو پار کیا۔ قرطبہ کی فوج نے اپنے وطن کی حفاظت میں جانیں لڑا دیں۔ سخت مقابلہ کیا۔ مگر اسلامی مجاہدوں کو روک نہ سکیں وہ سارے علاقے میں پھیل گئے۔ عیسائی فوج کو اتنا مارا کہ وہ بے دم ہو کر بھاگی۔ مجاہدوں نے بستی بستی کو اجاڑا، قریہ قریہ کو لتاڑا، عیسائی بہادروں کو پچھاڑا اور ہر طرف تباہی مچادی۔

الفانسو کو خبر پہنچی۔ تو وہ ایک بڑا لشکر لے کر اٹھا۔ بڑے اہتمام سے بڑھا، مگر راستہ ہی میں تھا۔ کہ آنکھیں دکھنے آئیں درد میں اشتداد پیدا ہوا، گھبرایا، تلملایا، پیچ وتاب کھایا، مگر درد کا آرام نہ آیا، الٹے پاؤں پھرا اب بیٹے کو سپہ سالار بنایا۔ اور مہم کا نیک وبد سمجھایا۔

شہزادہ جوان تھا، ہمت و جرأت کا نشان تھا مگر آخر ناتجربہ کار اور نادان تھا۔ بڑھا، پھیلا، غرناطہ کی چند بستیاں لوٹیں، مکانات جلائے، محلات گرائے، باغات اکھاڑے، کھیت لتاڑے، جو مسلمان نظر آیا، تلوار کو اس پہ آزمایا۔ بچوں کو نیزوں پر چڑھایا، بوڑھوں کو آب شمشیر پلایا، عورتوں کو ہنکایا، ان کی آبرو کو مذاق بنایا۔

وہ اسی کھیل میں مصروف تھا، کہ شاہ غرناطہ اپنی فوج ظفر موج لئے آپہنچا۔ مجاہدوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا، تلواریں نیاموں سے نکالیں، نیزے ہلائے اور بھوکے شیروں کی طرح غرائے۔ سر میدان للکارا، گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں، اور طوفان برق و باد بن کر گرے۔ عیسائی فوجیں جم کر لڑیں، مگر مجاہدوں نے ان کے چھکے چھڑا دئیے، تلواروں نے بوٹیاں کاٹیں، نیزوں نے لہو نچوڑا۔ میدان کی بھربھری مٹی غبار بنی عیسائیوں کے خون سے اس میں چھڑکاؤ کیا۔ شہزادے کی فوج بھاگی، تین ہزار نعشیں میدان میں چھوڑیں اور باقی بھاگ کر جدھر سینگ سمائے، فرار ہوگئے۔

ابھی تخریب، تعمیر سے بیگانہ تھی ان اوڈوں کے ویرانے آباد ہو رہے تھے۔ کہ الفانسو نے اپنے شہزادہ کو پھر سے آمادہ جنگ کر دیا۔ وہ پھر سے ایک بھاری فوج لے کر آیا۔

غرناطہ کی انہی بستیوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ سرحد پر وہ طوفان اٹھایا۔ کہ مسلمانوں کو ہنگام قیامت یاد آیا۔ ظالموں نے اپنا آبائی ظلم دہرایا، آبادیوں کو ویرانہ بنایا، باغات کو جلایا، جو مسلمان ہاتھ آیا، اسے جنت کا راستہ دکھایا۔

شاہ غرناطہ پچاس ہزار فوج لے کر آئے۔ مجاہدوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے۔ دشمنوں کو ٹوکا، اور اس طرح حملہ کیا کہ عیسائی فوجیں سہم گئیں، مگر لڑیں اور جم کر لڑیں۔ طوفان، طوفان سے ٹکرایا، تلوار تلوار سے بھڑی۔ نیزہ، نیزے سے لڑا۔ دونوں طرف کے بہادر مست ہاتھیوں کی طرح ٹکرائے، خون کے دریا بہائے، اپنی ہمت کے جوہر دکھائے، مگر اسلامی مجاہدوں نے ان پر وہ قیامت توڑی کہ شہزادے کی آدھی فوج کاٹ کر میدان بچھا دی۔ رن کی زمین بیر بہوٹی بن گئی۔ خون کے نالے بہ نکلے۔ شہزادہ پر زمین تنگ ہو گئی۔ آسمان اونچا اور بہت اونچا ہو گیا۔ جان بچا کر بھاگا، فوج شہزادے سے بھی آگے تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ فوج اور شہزادے میں دوڑ ہو رہی ہے۔ جوں جوں مجاہدوں کے نعرے سنتے دوں دوں تیزی سے بھاگتے، گرتے، پڑتے، بھاگتے، میدان سے نکلے اور جانیں بچا کر کھسک گئے۔

الفانسو نے یہ حال دیکھا۔ تو ایک چال چلا۔ قیمتی تحائف جمع کئے، محبت بھرا خط لکھا۔ ملکہ کی محبت اور شفقت کا اظہار کیا اور امیر ابو یوسف کے ہاں سفارت بھیج دی۔

امیر اگرچہ دانا تھا، عیسائیوں کی دشمنی اور مظالم سے آگاہ تھا۔ مگر تحائف اور ملکہ کے محبت بھرے سلام کے دام میں اسیر ہو گیا۔ اپنی فوج الفانسو کی مدد کے لئے بھیج دی۔ اس فوج کے ساتھ الفانسو نے اپنی فوج شامل کی اور شاہ غرناطہ کے علاقہ میں قیامت برپا کر دی۔ مدینہ عبیدہ کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ مسلمان فوجی اپنے بھائیوں پر تلوار چلانا اور ان کا خون بہانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ بے دلی سے لڑے۔ مگر عیسائی فوجیں مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کے درپے تھیں۔

شاہ غرناطہ نے اس راز کو پایا۔ تو سب سے پہلے انھیں دبایا۔ یہ پیچھے ہٹے۔ تو الفانسو کی فوج سامنے آئی۔ غرناطوی مجاہد شاہبازوں کی طرح جھپٹے۔ اور اپنی تلواروں سے ان ازلی دشمنوں کے پرزے اڑانے لگے ان کے لہو سے میدان کارزار میں گل لالہ کھلا دیا۔ لاشیں اس طرح میدان میں بچھا دیں۔ گویا کوئی بڑا جنگل کاٹا۔ اور بڑے بڑے درخت زمین پر بچھا دئے۔

دشمنوں کی لاشیں ہر طرف بکھری پڑی تھیں، کٹے ہوئے اعضا بے ترتیبی سے بکھرے پڑے تھے، کہیں سروں کے ڈھیر تھے۔ کہیں بازوؤں کے انبار، تلواریں، نیزے، ڈھالیں ان پر نوحہ خواں تھیں۔ اپنے بہادروں کے لئے گریاں تھیں۔ مجاہدوں کے گھوڑے انھیں لتاڑ رہے تھے، دشمن ناکام ہو چکا تھا۔ وہ بھاگا۔ جدھر منہ اٹھا، دوڑا، لاشوں کے ڈھیر چھوڑے۔ اور کسی کو اتنی ہمت نہ ہوئی۔ کہ پیچھے مڑ کر دیکھے۔

میدان صاف ہوا۔ گرد و غبار تھما۔ تو مجاہدوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ شاہ غرناطہ سربسجود ہو گئے ان کی پیشانی خدا کے حضور جھک گئی۔ مجاہدوں نے خوشی کے نعرے لگائے۔ خدا کی حمد کے گیت گائے۔ اور اس فتح پر شادیانے بجائے۔

یہ شکست ایسی نہ تھی۔ کہ امیر ابو یوسف شرمسار نہ ہوتے ان کی اکڑی ہوئی گردن جھک گئی، تنا ہوا سینہ سمٹ کر رہ گیا۔ مسلمانوں کی عیسائیوں پر فتح انھیں پسند نہ آئی۔ وہ اسے اپنی شکست سمجھے۔ جزیرہ الخضرا کو چھوڑا۔ اور عازم مراکش ہو گئے۔ الفانسو اپنی شکست برداشت نہیں کر رہ گیا۔

الفانسو نوازی کا انجام

نوجوان شہزادے کی شکست سے الفانسو بے قرار ہو
گیا۔ وہ ابھی بیمار تھا۔ مزاج چڑچڑا ہو گیا تھا شہزادے کو
اپنے پاس بلایا۔ اور اس شکست پر اتنا برا بھلا کہا۔ کہ شہزادے
نے اشبیلیہ کو چھوڑا۔ اور قرطبہ چلا آیا۔ یہاں آکر اس نے شاہ
غرناطہ سے مدد کا معاہدہ کر لیا۔ یہ معاہدہ الفانسو کو نہ بھایا۔ اس
نے امیر ابو یوسف کو ملکہ سے خط لکھوایا اور شاہ غرناطہ کے خلاف
اتنا اکسایا۔ کہ امیر ابو یوسف نے اپنے بیٹے ابو یعقوب کو افواج
کا سپہ سالار بنایا اور خود اس کے ہمراہ آیا۔ اشبیلیہ پہنچا، الفانسو
نے خود بڑھ کر استقبال کیا۔ ایک بڑا جشن منایا، ملکہ سے ملایا
اور حسن کی دولت سے امیر مراکش کے دل کو گرمایا اور وہ جادو
جگایا کہ بوڑھا امیر غلام بے دام بن گیا۔ الفانسو کی کچھ فوج ساتھ
لی۔ اور قرطبہ پر چڑھ آیا۔

شہزادے نے اپنی فوج کو للکارا، دونوں فوجیں دیوانہ

دار بڑھیں۔ خوب لڑیں۔ مگر قرطبہ کی عیسائی فوج امیر ابو یوسف کا راستہ نہ روک سکی۔ اس نے شہزادے کی فوج ہی کو نہ کاٹا۔ بلکہ اس کے بڑے بڑے بہادر شجاع چن چن کر تہ تیغ کئے۔ شہزادے کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور قلعہ بند ہو گیا۔

ابو یوسف نے قرطبہ کے مضافات میں وہ تباہی مچائی۔ کہ عیسائیوں کو قیامت یاد آئی۔ نہ کوئی کھیت چھوڑا۔ نہ کوئی باغ رہنے دیا ہر طرف الّو بولنے لگے۔ ابو یوسف نے اسی پر بس نہ کی۔ شہزادے کے نامی گرامی سالاروں کے سر کاٹے اور انھیں الفانسو کی خدمت میں بھیج دیا۔ جہاں اس نے ان کٹے ہوئے سروں کی نمائش کی، محل میں جشن برپا کیا، رقص و سرود کی محفلیں گرم کیں۔ ان سروں پر اپنا تخت بچھایا۔ اور شراب ارغوانی کے جام لنڈھائے۔

شاہ غرناطہ نے سنا۔ تو انھیں رنج بھی ہوا۔ اور غصہ بھی آیا۔ رنج اس پر کہ ایک مسلمان عیسائیوں کی مدد کر رہا ہے۔ اور غصہ اس پر کہ شہزادہ ان کا حلیف تھا۔ ابو یوسف کو ایک مسلمان کے حلیف پر یہ سختی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ غرناطہ سے نکلے ابو یوسف نے انھیں للکارا اور اپنی فوج لے کر سامنے آیا۔ یہ فوج غرناطوی مجاہدوں پر حملہ کرنے سے کتراتی اور پہلو بچاتی رہی۔ مگر اس کے ساتھ الفانسو کی

عیسائی فوج بھی تھی۔ جو غرناطوی فوج پر فوراً جھپٹ پڑنا چاہتی تھی۔ عیسائیوں نے گڑبڑ مچانے اور دونوں فوجوں کو لڑانے کی بہت کوشش کی۔ مگر ابو یوسف نے انھیں روک دیا۔

جب یہ خبر الفانسو کو پہنچی۔ تو ابو یوسف کو بڑے غصہ کا خط لکھا۔ ابو یوسف کو خط پڑھ کر غصہ تو آیا۔ مگر وہ پی گئے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنا نہ چاہتے تھے۔ انھوں نے شہزادے کی فوج کو شکست دے دی تھی۔ اور شاہ غرناطہ کی پیش قدمی روک دی تھی۔ اس سے زیادہ کے لئے وہ تیار نہ تھے۔

ابو یوسف نے الفانسو کے خط کے جواب میں لکھا کہ ہم آپ کے دوست ہیں اور دوست رہیں گے۔ ہم نے نہ کبھی دغا کی۔ نہ کریں گے۔ مصلحت وقت کا تقاضا یہی تھا۔ جس پر ہم نے عمل کیا ہے۔

الفانسو تو غرناطہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا چاہتا تھا اس کی مراد پوری نہ ہوئی۔ تو بیماری بڑھی۔ بے گناہ مسلمانوں کا خون سر پر چڑھا۔ بستر پہ ایڑیاں رگڑتا اور تڑپتا رہا۔ اور آخر جان دے کر اس مصیبت سے رہائی پائی۔

وہ مرا۔ تو شہزادہ سانچو بادشاہ بنا۔ اب وہ تخت و تاج کا مالک تھا۔ اس نے محمدؒ ثانی شاہ غرناطہ سے معاہدہ کی

تجدید کی۔ ابو یوسف نے سفارت بھیجی۔ اور ماتم پرسی کے علاوہ اپنی دوستی اور رفاقت کا یقین دلایا۔

سانچو کو اپنی شکست یاد تھی۔ اس نے سفیروں سے کہا۔ اپنے آقا سے کہہ دو۔ میرے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے میں روئی، جسے چاہو پسند کر لو۔

جنگِ قاسدہ

سانچو سے شاہ غرناطہ محمدؒ ثانی کا معاہدہ تھا۔ چند سال تو امن سے گزر گئے۔ مگر سانچو کے مشیروں نے اسے اسلام دشمنی پر آمادہ کر ہی لیا۔ اس نے شاہ غرناطہ کو لکھا۔ کہ آپ اب یہاں سے بستر بوریا لپیٹیں۔ اور غرناطہ میرے حوالے کر دیں۔ نہیں تو ہم بزور شمشیر اس پر قبضہ کر لیں گے"

شاہ غرناطہ کو یہ امید نہ تھی۔ انھیں خط پڑھ کر غصہ آیا خط کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور اپنی فوج کو حکم دیا" کہ تیار ہو جاؤ" فوج تو حکم کی منتظر تھی۔ سپہ سالار نے شاہ کا اشارہ پایا۔ تو فوج کو آگے بڑھایا۔ غرناطہ کی حد کو پیچھے چھوڑا۔ اور قشتالیہ کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ بجلی بن گرا اور طوفان بن کر اٹھا، دور دور تک بڑھا، مارتا دھاڑتا، لوٹ مچاتا، تباہی و بربادی پھیلاتا بڑھتا گیا۔ سانچو کی فوجیں مقابلہ پر آئیں، بارہ سالہ شہزادہ سپہ سالار تھا، بڑے بڑے قلور ٹے عیسائی فوج میں

شامل تھے۔ مگر جب آمنا سامنا ہوا تو غرناطوی مجاہد بازوں کی طرح جھپٹے، عیسائی بہادروں کی تلواریں توڑ دیں، ان کے ہاتھ مروڑ دئیے، ان کے نیزے چھین لئے۔ اور اس طرح گھیر گھیر کر مارا۔ جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیر پھاڑ دیتا ہے۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اور اپنا اسلحہ تک پیچھے چھوڑ گئے۔

سانچو یہ حالت دیکھ کر گھبرایا۔ مجاہدوں کے سامنے نہ آیا۔ قاسدہ اور القبت پر حملہ کر دیا۔ دونوں قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہرے بھرے کھیت اجاڑ دئے۔ خوبصورت باغ لتاڑ دئیے، اونچے اونچے مکان جلائے۔ آباد دیہات ویرانہ بنائے۔ جو مسلمان نظر آیا اسے آب شمشیر پلایا، جو بچہ دیکھا اسے نیزے پر چڑھایا۔ جو بوڑھا پایا۔ اسے جنت کا راستہ دکھایا۔ عورتوں کے ریوڑ اکھٹے کئے۔ ان کے نازک جسم نیزوں سے چھیدے۔ ان کے لباس تار تار کئے۔ انھیں سپاہیوں کا کھلونا بنایا۔ جی بھر کے بے ناموس کیا۔ مال و دولت لوٹا، بڑے بڑے گٹھڑ باندھے۔ زخمی اور بے بس عورتوں پر انھیں لادا اور ہنکاتا ہوا۔ قشتالیہ کی سرحد میں واپس چلا آیا۔

وہ خوش تھا۔ کہ اس نے مسلمانوں سے بدلہ لے لیا۔ شاہ

غرناطہ کے خطۂ جنت کو دوزخ بنا دیا۔ مسلمانوں کو جی بھر کر مارا، کاٹا، لوٹا، بے ناموس کیا۔ اور فاسدہ والقبت میں ایک مسلمان بھی زندہ نہ چھوڑا۔ محلات کھنڈر بنائے، باغات کو ایسا روندا کہ برسات بھی انھیں ہرا نہ کر سکے گی۔ اور غرناطہ کے مسلمان اس ویرانے کو کبھی آباد نہ کر سکیں گے۔

غرناطوی فوجیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ وہ مصروف تھیں فاسدہ اور القبت کی طرف لوٹیں۔ تو دشمن اپنا کام کر چکا تھا اور یہ علاقہ آبادی سے بربادی میں منتقل ہو چکا تھا۔ شکار ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ وہ واپس آئیں۔ اور اس ناگہانی سانحہ پر پچھتائیں کہ دشمن کو یہ موقع کیوں دیا؟

شاہ غرناطہ تو انتقام کی تدبیریں اسیر تھے۔ مگر قدرت نے بہت جلد انتقام لے لیا۔ سانچو قشتالیہ پہنچا۔ تو اپنی کامیابی کا جشن منایا مسلمان عورتوں کو بازار بازار پھرایا، انھیں لونڈیاں بنایا اور منڈی میں بکوایا۔

رات آئی۔ ناچ رنگ کی محفل قائم ہوئی۔ بادشاہ، ملکہ اور امیر و وزیر شراب پی پی کر بدمست ہوئے۔ خوب ناچے، شراب کے جام اس قدر لنڈھائے کہ مٹکے کے مٹکے خالی کر دئے۔ سانچو نے بدمست ہو کر اتنی پی۔ کہ اپنے آپ کا ہوش نہ رہا۔ شراب تھی تیز، نشہ چڑھا اور اس قدر بڑھا کہ تخت سے

اٹھا۔ اور محل کی دیوار سے ٹکرایا، سر پھوٹا، فرش پر گرا، بازو ٹوٹا، اٹھا، لڑکھڑایا اور دوبارہ فرش سے ٹکرایا، ٹانگ ٹوٹی، دربان تک نشے میں دھت تھے۔ اسے کون سنبھالتا، کون اٹھاتا، کون ڈاکٹر کو بلاتا، چیخا، چلایا، مگر کوئی مدد کو نہ آیا، حواس بگڑ گئے، دل ڈوبا، اور ایسا ڈوبا۔ کہ پھر نہ ابھرا۔ ظلم کا بدلہ پایا۔ اور جہنم کے شعلوں میں جل کر راکھ کا ڈھیر بنا۔

سانچو مرا تو اس کا بارہ سالہ بیٹا تخت پر بیٹھا۔ شاہ غرناطہ نے قاسدہ پر حملہ کیا۔ عیسائی فوجیں میدان سے بھاگیں تو قلعہ میں پناہ لی۔ محمدؒ ثانی نے منجنیقیں لگا دیں۔ بڑے بڑے پتھر پھینکے۔ قلعہ کی دیواریں چھلنی چھلنی کر دیں۔ دیواریں ٹوٹیں تو مجاہدوں نے نعرہ تکبیر مارا۔ اور قلعہ میں گھس گئے۔ قلعہ کے اندر بھی سخت لڑائی ہوئی۔ عیسائی بڑی بہادری سے لڑے۔ مگر اسلامی تلواروں نے ان کے کس بل ایسے نکالے کہ آخر امان کے طالب ہوئے۔ محمدؒ نے فوراً تلوار میان میں کی اور انھیں امان دے دی۔ نہ کسی نہتے کو مارا، نہ بوڑھے کو صدمہ پہنچایا۔ نہ بچے پر نیزہ اٹھایا۔ نہ عورتوں کو بے ناموس کیا۔ حالانکہ انھیں عیسائیوں کے مظالم یاد تھے۔

جنگِ سیرا

ابو سعید اسماعیل تختِ غرناطہ پر رونق افروز تھے۔ وہ ابھی اپنی حالت درست کرنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ قشتالوی عیسائیوں کی بہت بڑی فوج غرناطہ پر چڑھ آئی۔ یہ فوج کیا تھی، قہر و غضب کی موج تھی۔ اس میں قشتالیہ کے بڑے بڑے شجاع اور جنگجو شامل تھے۔ بیس سے زیادہ شہزادے، نواب اور سردار تھے۔ جنگ کا پورا ساز و سامان تھا۔ اور سب سے بڑھ کر غرناطہ اور مسلمانوں کے مٹا دینے کا ارمان تھا۔ سیرا کی پہاڑیاں ان کے بوجھ سے دبی جاتی تھیں۔ یہ فوج بڑھی آ رہی تھی۔ راستے کے کھیت اور باغات جلا رہی تھی۔ اسلام دشمنی کے جھنڈے لہرا رہی تھی۔ صلیب کی جے کے نعرے لگا رہی تھی۔ اور آہستہ آہستہ پہاڑوں کی اونچی ڈھلوانوں سے نیچے آ رہی تھی۔ ڈان پیڈرو اور ڈان جون اس فوج کے قاید تھے۔

یہ فوج تند و تیز سیلاب کی طرح غرناطہ کی حدود میں بڑھی اور مسلمان بستیوں میں قیامت برپا کر دی، مارتی، دھاڑتی کاٹتی، جلاتی، تباہی و بربادی پھیلاتی غرناطہ کی طرف بڑھی حتیٰ کہ غرناطہ سے اس کے علم دکھائی دینے لگے۔

تلوار کی دھار سے بچے کچھے مسلمان غرناطہ پہنچ رہے تھے۔ ابو سعید حیران تھے۔ کہ اس بلا سے کیسے بچیں اور کس طرح مسلمانوں کو بچائیں؟ آخر انھوں نے سوچا۔ جب مرنا ہی ہے۔ تو کیوں نہ بہادری کی موت مریں، انھوں، نے خدا کے حضور ہاتھ پھیلائے۔ غرناطہ کے نوجوانوں کو پکارا، آن کی آن میں ہزاروں تلواریں میانوں سے نکل پڑیں۔ ابو سعید نے انھیں مرتب کیا۔ اور شہر سے باہر آئے۔ دشمن اپنی پوری طاقت سے بڑھ رہا تھا، اس کے جھنڈے ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اس کے نعرے فضا میں گونج رہے تھے، ان کی صلیبیں توحید پر غالب آنے کے لئے بے قرار تھیں۔ وہ اپنی فتح کو یقینی سمجھ رہے تھے۔ شراب کی بو سے ہوائیں بدبو کے بھبو کے شامل ہو رہے تھے۔ راہبات اپنا جادو جگا رہی تھیں۔ پادری بہشت فروشی کر رہے تھے۔ عیسائیوں کے جوش میں سرمست لہریں اٹھ رہی تھیں۔ کہ اسلامی مجاہد ان پر پل پڑے۔ تلواریں، نیزے،

برچھے، لپکے، بڑھے، ٹکرائے، تکبیر کے نعرے گونجے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوئیں، صلیب اور توحید میں وہ رن پڑا کہ قیامت آگئی، رزمگاہ میدان حشر بن گئی۔ پہاڑوں سے پہاڑ ٹکرائے، ہاتھیوں کے مقابلہ پر ہاتھی آئے، دونوں طرف کے بہادر شیروں کی طرح غرائے، مستوں کی طرح بڑھے، دیوانوں کی طرح لڑے۔ گھمسان میں گھمسان پیدا ہوا، میدان کے غبار نے ہوا کو تیرہ و تار کر دیا، گھوڑے ہنہنائے، مجاہد خون کے دریا میں تیرنے لگے، عیسائیوں کی بوٹیاں فضا میں اڑنے لگیں۔ لہو کے فوارے اچھلنے لگے۔ تلواروں کی بارش ہونے لگی، نیزوں کے پھل ٹوٹنے لگے۔ صبح سے شام تک میدان میں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ڈان پیڈرو اور ڈان جون کی گردنیں کٹیں۔ شہزادے نواب اور سردار اپنی جانیں دے کر سرخرو ہوئے، ان کے جسم گھوڑوں کے سموں میں اس طرح روندے، مسلے اور کچلے گئے۔ کہ ان کی شہزادگی، نوابی اور سرداری کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔

مجاہد شیروں کی طرح بڑھ رہے تھے۔ انھوں نے عیسائی فوج کو اس طرح گھیر گھیر کر مارا، کہ ایک دشمن کو بھی بچ نکلنے کا موقع نہ دیا۔ صلیبیں، پادری، راہبات سب کام

آئے، اور توحید نے تثلیث کو ایسی شکست دی۔ کہ اس کے لئے غرناطہ کے نواح میں کوئی جگہ نہ رہی۔

مجاہد اس مہم سے فارغ ہوئے، میدان کو دشمنوں کی لاشوں سے بھرا دیکھا۔ ان کے خون کے دریا بہتے دیکھے۔ تو کارزار کی حدود سے نکلے، اور عیسائیوں کے فتح کئے ہوئے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ مرسیہ کی حدود کو پامال کیا۔ اور عیسائیوں کو وہ سبق دیا جو انھیں کبھی فراموش نہ ہو۔ اس جنگ میں مجاہدوں کو اتنا مال غنیمت ملا۔ کہ ان کی تھکاوٹ دور ہو گئی۔ پانچ سو من سونا، ساڑھے سترہ من چاندی مال غنیمت میں شامل تھی۔ سات ہزار عیسائی اسلامی کمندوں کے اسیر تھے۔ اسلحہ کے انبار تھے۔ بوروں کے حساب سے دینار تھے۔

ابو سعید نے اس فتح پر خدا کے حضور سجدہ شکر ادا کیا۔ مجاہدوں کو آفرین کہی۔ اور آیندہ کی تدبیر میں لگ گئے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ چاروں طرف عیسائی دشمن پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ فتح ان کے سینوں کا ناسور بن جائے گی۔ اور جلد ہی ان کی جھکی ہوئی گردن پھر سے تن جائے گی۔

جنگِ بیضا

سیرا کی شکست کوئی معمولی شکست نہ تھی۔ اس شکست نے عیسائیوں کی کمر توڑ دی۔ ابو سعید کا نام سارے اندلس میں روشن ہوا۔ مسلمانوں کی کمر ہمت بندھی اور ان کے بجھے ہوئے حوصلے چمک اٹھے۔ عیسائیوں کا ڈر دور ہوا۔ اور ان کا دلولۂ جہاد و شجاعت مشہور ہوا۔

سیرا کی غنیمت سے ابو سعید نے بڑے بڑے کام لئے، ملکی حالت کو سدھارا، درسگاہیں، رسد گاہیں، محتاج خانے قائم کئے۔ نئی سڑکیں بنوائیں، نئے قلعے تعمیر کرائے اور جنگی اسلحہ ایجاد کیا۔ منجنیقوں کو توپ کی شکل دی۔ اور ان کے لئے بم ایجاد کئے۔

عیسائی حکومتیں دبی بیٹھی تھیں۔ اور اندر ہی اندر جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ ۷۲۴ ہجری آیا۔ ابو سعید کے جوش جہاد نے میدان جنگ مانگا۔ مجاہدوں کی ایک بڑی فوج

سانس لی۔ اور بیضا کی طرف یلغار کر دی۔ مارتا، کاٹتا، بڑھتا گیا اور بیضا کو جا گھیرا۔ عیسائی بہادر میدان میں نکلے۔ مگر بہت جلد پیچھے ہٹے۔ اور قلعہ بند ہو گئے۔ شہر کے دروازے بند کر لئے۔ اور فصیل کے مورچوں میں بیٹھ گئے۔ تیر اور پتھر برسانے لگے۔ ان کا خیال تھا۔ کہ ابو سعید کو فصیل روکے رکھے گی۔ اور وہ ہم تک نہیں پہنچ سکے گا۔

یہ قلعہ بندی ابو سعید کے حوصلہ پر تازیانہ تھی۔ اس نے منجنیقیں لگا دیں۔ یہ منجنیقیں سنگبار نہ تھیں بلکہ آتشبار تھیں۔ ان میں سے جب گولہ نکلتا۔ تو فضا میں لرزہ پیدا ہو جاتا۔ گولہ پھٹتا۔ تو یک لخت بجلی کڑکتی۔ اور چمک کر تاریکی کو روشنی میں بدل دیتی گولہ جہاں گرتا، قیامت برپا ہو جاتی۔ اردگرد آگ پھیلتی، جو زد میں آتا، راکھ کا ڈھیر بن جاتا، فصیل کے پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑتے، دشمنوں کی ہڈیاں توڑتے، ان کے سر پھوڑتے، اور جو زد میں آجاتا اسے زندہ نہ چھوڑتے عیسائی حیران تھے۔ کہ یہ کیا ہتھیار ہے؟ اور اس کا توڑ کیا ہو سکتا ہے! مگر کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ توپوں کی آتشباری سے فصیل اور قلعہ کی دیواریں چھلنی چھلنی ہو گئیں۔ مورچوں کے سپاہی پرزہ پرزہ ہو گئے۔ قلعہ کی فوج سراسیمہ ہو گئی۔ تیر انداز

چوکڑی بھول گئے، چھپنے کو جگہ نہ تھی، سارا شہر اور قلعہ توپوں کے گولوں سے تباہ ہو رہا تھا۔ کوئی جگہ محفوظ نہ تھی جہاں جم کر لڑ سکتے اور بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی۔

شہر پناہ ٹوٹی۔ تو عیسائیوں کے دل چھوٹ گئے۔ مجاہدوں نے اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ عیسائیوں کے دل ہل گئے۔ ان کے جسم کپکپائے، تلواریں ہاتھوں سے گر گئیں، امیدوں کے سپنے بکھر گئے۔ قلعہ کی طرف بھاگے۔ مگر جب دیکھا۔ کہ قلعہ کی دیواریں بھی پناہ کے لئے ترس رہی ہیں۔ تو مایوسی نے سہارا نہ پایا۔ اور امان امان کو وظیفہ زبان بنایا۔

مجاہد شہر میں گھس گئے۔ محافظوں نے ہتھیار پھینک دئے۔ ہاتھ باندھے، سامنے آئے، پاؤں میں گرے۔ جان کی امان مانگی۔ لڑائی سے توبہ کی۔ رحم رحم پکارا۔

ابو سعید نے امان دی۔ گویا مُردوں کو جان دی۔ مجاہدوں نے ہاتھ روک لئے، تلواریں نیاموں کی گود میں جا بیٹھیں نیزوں کی نوکیں نیچی ہو گئیں۔ ڈھالیں ہاتھوں سے نکلیں اور پشت پر سوار ہو گئیں۔

مجاہدوں نے مال غنیمت جمع کیا۔ گٹھڑ باندھے اور خدائے بزرگ کا شکر ادا کیا۔ اللہ اکبر کے نعرے

لگاتے، خدائے واحد کی تقدیس کے گیت گاتے،
غرناطہ کو واپس لوٹے:-

اعلان

اسلامی جنگیں

(جلد سوم)

زیر ترتیب ہے۔ اس میں ہندوستان میں اسلامی جنگوں کی تصاویر و مناظر پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان جنگوں کی جھلکیاں ہر صاحب ایمان کے دل میں جذبہ جہاد بیدار کر کے اسے اسلامی زندگی سے ہمکنار کر دیں گی۔

وما توفیقی الا باللہ

مینیجر:-

کتب خانہ انجمن حمایت اسلام براندرتھ روڈ لاہور